سوویت یونین کا زوال

اور

کمیونزم

www.KitaboSunnat.com

عرفان سعید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

سوویت یونین کا زوال

اور

کمیونزم

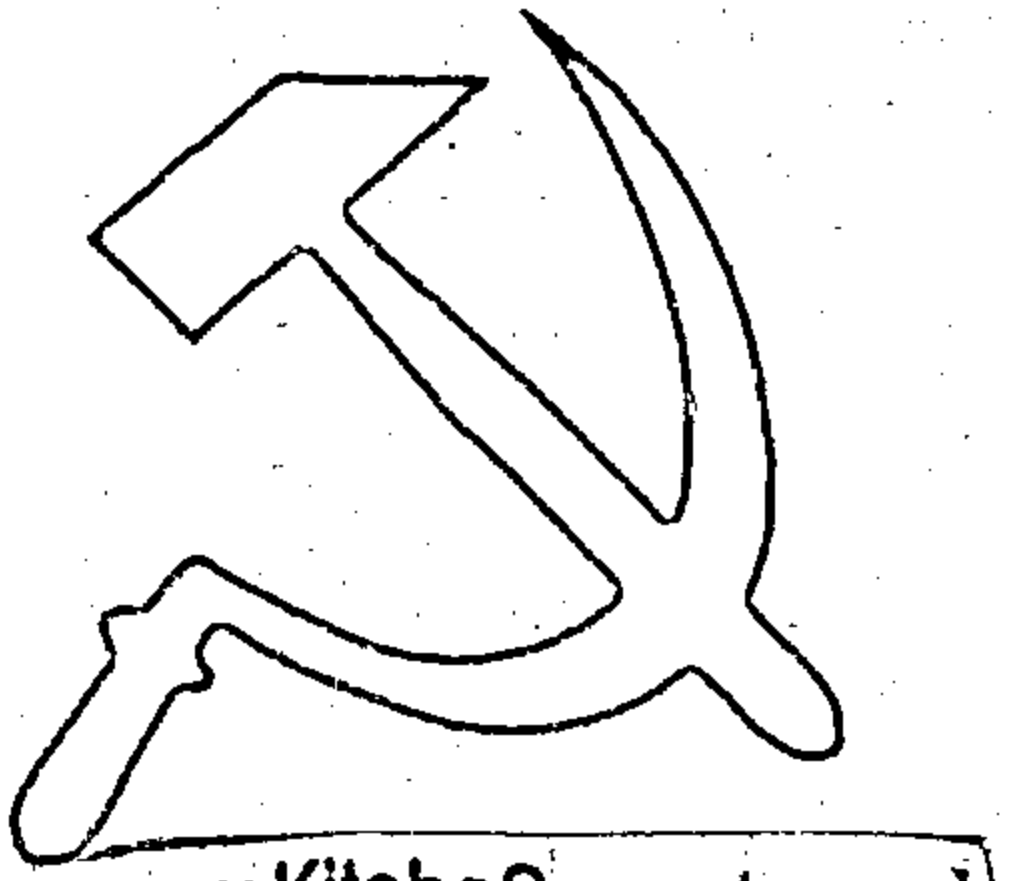

www.KitaboSunnat.com

عرفان سعید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیں جن پر انحصار کیا گیا

منتخبات: کارل مارکس، فریڈرک اینگلز، لینن، سٹالن، ماؤزے تنگ

اوری جن آف سپی شیز اینڈ ڈیسنٹ آف مین ____ چارلس ڈارون

تھیوری آف ریلے ٹوی ٹی _____ آئن سٹائن

ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی _____ برٹرینڈ رسل

جورس پروڈنس _____ آر ڈبلیو ایم ڈائس

جورس پروڈنس _____ لارڈ لوئیڈ آف ہم سٹیڈ

فزکس فاؤنڈیشن اینڈ فرنٹیئرز _____ جارج گیمو۔ جان کلیولینڈ

فزکس بائیو گرافی آف ایٹم _____ ایل برونسکی ملینٹ ای سل سم

میوزک آف سپفیرز: _____ مرشی

شخصیات جن کے خیالات سے مدد لی گئی

ڈاکٹر زوگانو (صدر کمیونسٹ پارٹی روس)، شیخ رشید (پی پی پی)، عابد حسن منٹو (عوامی جمہوری پارٹی)، سردار شوکت علی ایڈووکیٹ، عبدالمجید خان کشمیری ایڈووکیٹ،

مصنف — عرفان سعید

بار اول — جنوری 1995ء

کمپوزر — جدوجہد کمپوزنگ سنٹر 74 بیڈن روڈ لاہور

تعداد — 1000

پبلشر و تقسیم کار سوشلسٹ پبلشر 10 دیال سنگھ مینشن دی مال لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی خائف نہیں تختۂ دار سے
میں بھی منصور ہوں کہہ دو اغیار سے
کیوں ڈراتے ہو زنداں کی دیوار سے
ظلم کی بات کو، جہل کی رات کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں جانتا

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں مصلحت کے پلے
ایسے دستور کو صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں جانتا

تم نے لوٹا ہے صدیوں ہمارا سکون
اب نہ ہم پر چلے گا تمہارا فسوں
چارہ گر میں تمہیں کس طرح سے کہوں
تم نہیں چارہ گر، کوئی مانے مگر
میں نہیں مانتا، میں نہیں جانتا

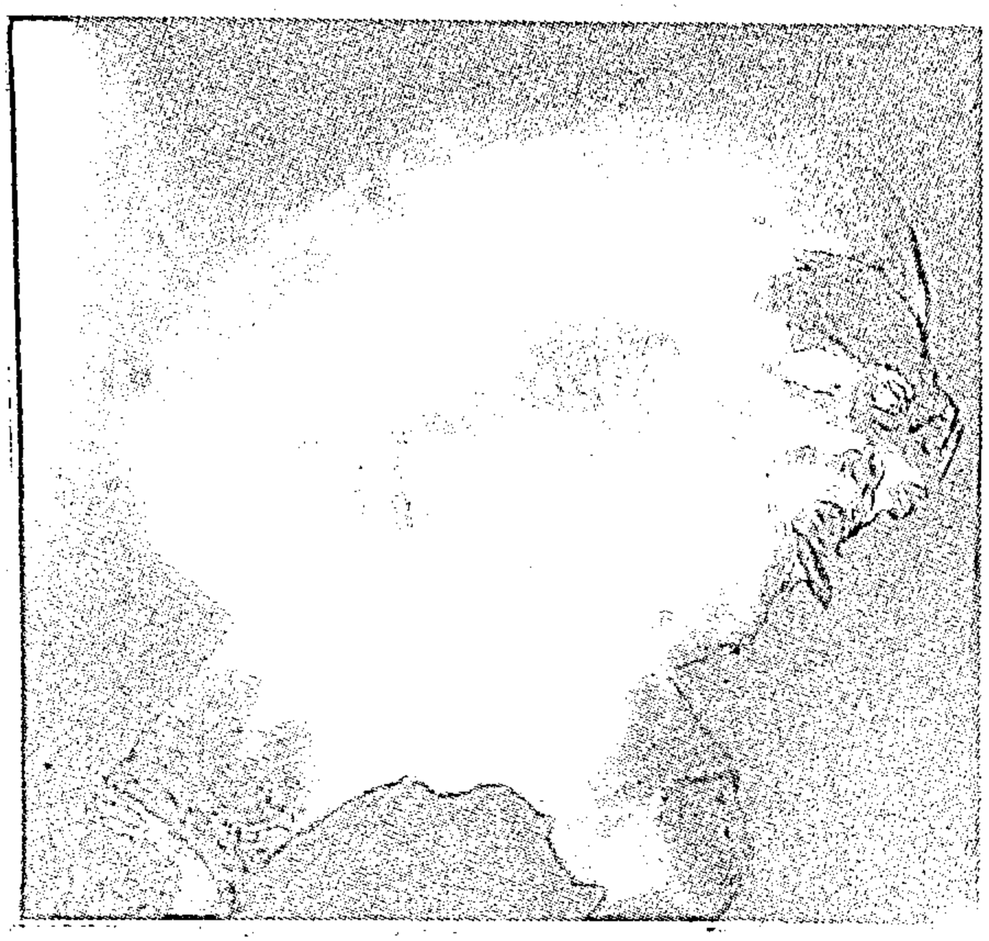

محنت کشو تمھیں زنجیروں کے سوا کھونا ہی کیا ہے
اور جیتنے کو ساری دنیا پڑی ہے

مارکس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ	10
1- انسانی نسل کا سنگین مسئلہ کمیونزم کا سوال	11
2- سوویت یونین کا زوال	16
3- اونچ نیچ ایک تضاد	46
4- سامراج کی چند تاریخی جھلکیاں	51
5- قانون فطرت	65
6- جورس پروڈنس (فلسفہ قانون)	100
7- تصوریت اور مادیت	112
8- جمہوریت	116
9- حقیقی جمہوریت، کمیونزم	140
10- انقلاب ایک ناگزیر راستہ	150

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

مجھے یقین ہے کہ عزیزم عرفان لینن جیسے عظیم انسان کا کردار ادا کرے گا اور محنت کش طبقات کو استحصالی طبقہ سے نجات دلانے میں جدوجہد منظم طریقہ پر کر کے ایک صحتمند سوشلسٹ معاشرہ کے قیام میں ایک بہادر فلاسفر ثابت ہو گا۔ (19 جنوری 1974)

مجھے عرفان کے چہرے میں لینن کا عکس نظر آتا ہے۔ (3 مئی 1995)

عرفان سعید کی کتاب سوویت یونین کا زوال اور کمیونزم میری 1974 میں کی گئی پیش گوئی کی تائید ہے۔

شیخ محمد رشید

سینئر وائس چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی

پہلا باب

انسانی نسل کا سنگین مسئلہ کمیونزم کا سوال

سوویت یونین کا زوال کیا کمیونزم کی موت ہے؟

سوویت یونین کا عروج اور زوال کمیونسٹ نظام کی زندگی یا موت کا سوال پوری انسانیت کے لئے انتہائی طور پر فکر طلب اور سنجیدہ مسئلہ ہے۔ آنے والی تمام نسلوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ کیونکہ آج کا یہ فیصلہ آنے والی تاریخ مرتب کرے گا۔ ایسی تاریخ آنے والے ادوار میں ہماری نسلوں کی قسمت کے نام سے منسوب ہو گی۔

یہ سوال کسی ادبی کتاب افسانہ یہ ناول کے متعلق ہرگز نہیں ہے جو کہ کسی ذہنی عیاشی سے منسوب ہو۔ یہ سوال انتہائی اہمیت کا حامل ہے جس کا تعلق ہماری روٹی، روزگار، محنت، تعلیم، ہماری زندگی، ہمارے پینے کے پانی اور ہمارے سانس سے ہے۔

یہ سوال معاشیات کا ہے۔ یہ سوال ہماری آزادی کا ہے۔ یہ ان موقعوں اور لمحوں کا سوال ہے جو لمحات آنے والی نسلوں کی آزادی یا غلامی کا حکم صادر کریں گے۔ یہ مسئلہ قحط سے مرنے والے لاکھوں افراد کا ہے۔ بھوک ننگ کا مسئلہ، بلکتے سسکتے بچوں کا مسئلہ، جنگوں میں مرتے انسانوں کا مسئلہ۔ ہمیں سوچنا ہے، بہت سنجیدگی کے ساتھ سوچنا ہے کہ تباہی و بربادی کے دہانے پر کھڑی ہماری آنے والی نسلوں کی نجات کیسے ممکن ہے۔

اس مسئلہ کو لاپرواہی سے سنجیدگی کے بغیر دیکھنا انسانی نسل کے لئے کچھ ایسے ہی ہے جیسے کہ زہریلے سانپ کو رسی سمجھ کر کھیلنا یا پھر زہر کو دوا سمجھ لیا جائے یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر ایک بم کو کھلونا سمجھ کر ہم کھیلنے لگیں۔ جو لوگ وقت اور تاریخ کو نہیں پہنچانتے تاریخ ان کے لئے بہت ظالم ہے۔ موت یا غلامی کی سزا صرف ان کو ہی نہیں بلکہ ان کی تمام آنے والی نسلوں کو بھی یہ سزا بھگتنے کا حکم ہوتا ہے۔ بے پناہ خونریزی ان کے اس جرم کی پاداش میں ان کے نام لکھ دی جاتی ہے۔ ان جانے جرائم کی سزا بھی انہیں کو ہی ملے گی۔

ہمارا آج کا یہ سوال ہے کہ سوویت یونین کے عروج اور زوال سے کمیونزم اور سوشلزم کی تقدیر کیا ہو گی؟ کیا سوشلزم سوویت یونین کے زوال سے متاثر ہوا ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو کس حد تک یہ متاثر ہوا ہے اگر جواب نہ میں ہے تو پھر کمیونزم کیا ہے؟ کیا کمیونزم کا تعلق انسانی خواہشات پر ہے؟ ابھی تک سوویت یونین کے عروج و زوال کی ایک متعصب تصویر ہمارے سامنے ہے۔ اشیاء کے تجزیے کے لئے ہمیں صاف شفاف ننگی آنکھ کے استعمال کے علاوہ خوردبین اور دوربین سے بھی مشاہدات کرنے ہونگے۔ تاکہ حقیقت اپنے تناظر کے حوالے سے زیادہ واضح اور صاف نظر آسکے۔

میں نے روس اور سوویت یونین کا عروج و زوال اور تاریخی پس منظر مختصر طور پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے بعد ہمارا یہ سوال کہ کیا یہ کمیونزم کی موت ہے؟ اس سوال کا جواب انتہائی طور پر سادہ اور آسان ہے۔ اس سوال کا جواب میرا ذاتی عقیدہ یا تعصب نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کا جواب دلیل اور منطق ہے۔ ایسی دلیل جو اجسام واقعات اور اعمال کی تشریح سے قدرتی طور پر اخذ شدہ ہے۔ پانی کی کیا عادت ہے۔ آسان سا جواب ہے۔ سادہ سا تجربہ کر لیتے ہیں۔ یہ تو ڈھلوان کی طرف بہتا ہے۔ بالکل اسی طرح کمیونزم کو سمجھنے کے لئے ہمیں چیزوں اور اشیاء کو اجسام کو اعمال کو واقعات کو اپنے اصل وجود اور رنگ میں دیکھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ کمیونزم کوئی مافوق الفطرت بات نہیں کہ آپ یا آپ کا بچہ اس کا تجربہ نہ کر سکے۔ ہم نے سائنس اور انسانی علم کی روشنی میں

اشیاء کی عادت چیزوں کی ماہیت کی تشریح اور وضاحت کی ہے اور اس کا فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے پیچیدہ سوالات کا جواب سادہ قسم کی وجوہات اور عوامل میں پنہاں ہوتا ہے مگر ان عوامل کی عمومیت اور سادگی کی وجہ سے ہم اس کی اہمیت کا اندازہ نہ لگا سکتے ہیں کہ یہ سادہ سا عمل ہی بے پناہ پیچیدہ مسائل اور نتائج کی بنیاد اور وجوہ ہے۔ مثال کے طور پر انسان کی سب سے زیادہ بنیادی ضرورت سانس لینا ہے۔ لیکن شاید ہم نے کبھی مہینوں میں بھی اس بات کا احساس نہ کیا ہو کہ آکسیجن کی ہمیں بہت ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ عام ہے اور آسانی سے میسر ہے۔ بالکل اسی طرح زندگی میں بہت سادہ اعمال اور عوامل اشیاء اور اجسام کو ہم اہمیت نہیں دیتے اور اس کی سائنسی تشریح نہیں کرتے کیونکہ یہ بہت عام ہوتی ہے اور ہم اس بات کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں کہ ہم اس سے بے احتیاطی کریں اور لاپرواہی کریں۔ صدیوں سے یہ ایسے ہی چلی آرہی ہیں تو ہم ان کو ویسے ہی شعور کی اوپری سطح پر رکھتے ہیں جیسے کہ یہ کوئی بہت غیر اہم سی چیز ہو۔ لیکن ہمارا یہ رویہ ہی ہمیں انتہائی پیچیدہ مشکلات اور مصائب میں گرفتار کر دیتا ہے۔ چیزیں اوپر سے نیچے گرتی ہیں۔ کسی نے کبھی توجہ نہ دی لیکن گلیلیو اور نیوٹن نے گرتے ہوئے اجسام کا بغور مطالعہ کر کے قوت ثقل کے بارے میں قوانین دریافت کئے جو کہ انسانی ترقی کا باعث ہوئے۔

کمیونزم کو سمجھنے کے لئے عام سی سادہ سی باتوں کی تشریح لازم ہے۔ ایسی سادہ باتیں جن کے اندر دنیا کا سب سے بڑا فلسفہ چھپا بیٹھا ہے۔ انسان کیا ہے؟ کیسے بنا؟ سماج کسے کہتے ہیں؟ فرد اور اجتماع کیا ہے؟ یہ روپیہ کیا چیز ہے؟ استحصال کسے کہتے ہیں؟ یہ سامراج کیا ہے؟ قانون کسے کہتے ہیں؟ طبقات کیا ہوتے ہیں؟ جمہوریت کیا ہے؟ سائنس اور اصول کسے کہتے ہیں؟ آزادی کے کیا معانی ہیں؟

مختلف قسم کے نظام ہائے زندگی مختلف مکاتب فکر ہیں۔ حقیقت کو سمجھنے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے انسان کوشاں ہیں اور تمام تر انسانی کاوش اور کوشش حقیقت کو پہچاننے کے لئے ہے۔ کمیونزم بھی اسی طرح مختلف اعمال اور اشیاء کی تشریح کرتا ہے۔ ہم کمیونسٹوں کا یہ دعویٰ ہے کہ کمیونزم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہم ہر چیز کو اس کے حقیقی رنگ میں دیکھیں۔ ہر شے کو تجربات اور مشاہدات کی بنا پر مان لیں۔ قوانین فطرت کو سمجھ لیں۔ اشیاء کی عادت جان لیں توازن کو سمجھیں انسان سماج اور معاشیات کی صحیح تشریح کو ہی ہم کمیونزم کہتے ہیں۔ سائنس اور منطق انسانی اجتماعات اور معاشرہ کے لئے کیسے اور کیونکر مفید ثابت ہو سکتا ہے اس علم کا نام ہی کمیونزم ہے۔

بین الاقوامی سطح پر ایک ہمہ گیر نظریہ بنانے کے لئے تاریخ میں ماضی میں ایک ہی طرح کے علوم اور نظریات کو یکجا کرکے اس کو ایک نام اسی لئے دے دیا جاتا ہے کہ اس نظام کے ساتھ انسانوں کا ایک رشتہ قائم ہو اور پھر اس نظریے کے ذریعے سے بکھرے ہوئے انسان مل کر ایک طاقت کی صورت اس فلسفہ اور نظام کے لئے جدوجہد کر سکیں اور ہر انسان اپنے شعور کی سطح اور اپنے مفادات کے حوالے سے دنیا میں رائج مختلف نظاموں میں سے ایک نظام کا چناؤ کرتا ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا میں تمام محنت کش اور تعمیر دینے والی قوتوں کا ترجمان نظام کمیونزم ہے اس کے برعکس باقی دوسرے نظام استحصال لوٹ کھسوٹ اور بے انصافی، اجارہ داری، حقوق کو غصب کرنے، علم اور شعور اور آزاد چناؤ کے عوامی حق کو معطل کرکے، وسیع آبادیوں کے آزادانہ حق چناؤ سے انحراف کرکے، جبر اور ظلم کے ساتھ، جنگ کے سہارے قائم و دائم ہیں۔ لوٹ کھسوٹ کے ان نظاموں نے دنیا کو گمراہی، غربت، افلاس، بیماری اور تنزل دیا ہے۔

ان سب باتوں کو سمجھ لینے سے کمیونزم کی تعریف مکمل ہو جاتی ہے۔ ہمارا پیغام رسانی کا فریضہ ختم ہوتا ہے۔ تاکہ آپ کو لوگوں کو اور عوام کو کسی قسم کی غلط فہمی، فریب، دھوکہ یا مغالطہ باقی نہ رہے اور علم کے اس روشن پہلو کی وجہ سے

آپ اس مقام پر ہوں کہ آپ صحیح یا غلط فیصلہ کرنے کے اور اس فیصلہ کے نتائج حاصل کرنے کے خود ذمہ دار ہوں۔ اس طرح آپ اپنی آنے والی نسلوں کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے اہم مقام پر بھی ہوں۔ آپ یہ نہ کہہ سکیں کہ آپ کو الفاظ زبان اور تشریحات کا دھوکہ دیا گیا تھا اور آپ وہ نہ چاہتے تھے جو کہ آپ سے جھوٹے پراپیگنڈے کے ذریعے کروا لیا گیا۔ یہ تمام تشریحات آپ کو کس جانب عمل کرنے اور فیصلہ کرنے کا پیغام دیتی ہیں یہ آپ ہی کی صوابدید ہے۔

عظیم فلسفی لینن کا یہ کہنا ہے کہ ایک سوشلسٹ کے لئے یہ بات از حد ضروری ہے کہ وہ کائنات دنیا اور سماج کے بارے میں ایک ہمہ گیر عقل دلیل علم اور حقیقت پر مبنی ایک نظریہ رکھتا ہو۔ حالات اور واقعات کو قابو میں رکھنے کے لئے اور تاریخ کو ایک سمت دینے کے لئے یہ بات بہت ضروری ہے۔ ورنہ آپ حالات اور واقعات کے دھارے کے سامنے بے جان کٹھ پتلی بن جائیں گے اور تاریخ ساز کردار ادا نہ کر سکیں گے۔ نئی دنیا کی مطلوبہ تعمیر کے لئے علم پر دسترس رکھنا ایک ضروری امر ہے۔

☆ ☆ ☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب

سوویت یونین کا زوال

دنیا کی اتنی بڑی طاقت سوویت یونین زوال پذیر ہوئی۔ یہ سپر پاور کیسے اور کیوں تباہی کی گود میں چلی گئی۔ وہ کونسی وجوہات تھیں جنہوں نے چٹانوں کے سینے میں دراڑیں ڈال دیں۔ یہ کیسا انقلاب تھا جو کہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب کہلاتا ہے اور جلد ہی سر نگوں ہو گیا۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد بہت سے سوالات ذہن میں اٹھتے ہیں کہ کیا کمیونزم کا فلسفہ صحیح تھا یا کہ اس فلسفہ ہی میں کمزوری تھی یا کہ پھر سوویت یونین کا حکمران طبقہ ہی سازشوں کا شکار ہو گیا۔ کیا کمیونزم روس میں کوئی ایسا ادارہ نہ بنا سکا تھا۔ جس میں کہ ذاتی ڈکٹیٹرشپ اپنی جڑ نہ پکڑ سکے۔ کمیونزم کا یہ دعویٰ کیا غلط تھا کہ وہ سامنے سرخ سورج طلوع ہوا ہے اور اب سرمایہ داری نظام جلد دم توڑ دے گا اور ساری دنیا کمیونزم کی آغوش میں پناہ لے گی۔ کیا کمیونزم ترقی تبدیلی اور ارتقاء کی زنجیر میں موجودہ دور کی آخری کڑی ہے؟ کیا ٹراٹسکی صحیح تھا کہ روس میں پہلے انقلاب نہیں آسکتا اور کمیونزم کی فطرت بین الاقوامی ہوتی ہے۔ ان سب باتوں کے جوابات سے پہلے ہمیں سوویت انقلاب 1917ء کا ایک جائزہ لینا ہے کہ روس کی تاریخ کیا ہے؟ اور پھر وہ کون سا پس منظر تھا جس کی وجہ سے کہ روس کے اندر انقلاب نے جنم لیا۔ ایسا انقلاب جس نے کہ ساری دنیا کو ہلا ڈالا۔ انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ مجبور و مقہور انسانوں نے منظم ادارے اور حکومت قائم کی اور دنیا کے گوشے گوشے میں یہ ہر محنت کش کی آواز بنا۔

لینن اور سٹالن کے دور میں ساری دنیا طاغوت اور سامراج کے آہنی پنجہ استبداد میں جکڑی تڑپ رہی تھی۔ برطانوی سامراج نے دنیا کو اپنی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ فرانسیسی سامراج بھی اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ جرمنی کا دیو دنیا کو نگلنے کے لئے بے

قرار تھا۔ امریکہ کا اژدہا بھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔ زار روس بے پناہ مظالم کی چھپی ہوئی بھیانک داستانوں کا نام تھا۔ برف کی طرح سرد جذبات رکھنے والے حکمران بہت ظالم تھے۔ زار روس کی وسیع فوج ہلاکت آفریں تھی، سارے ملک میں چھوٹے چھوٹے سرداروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ان میں سے ہر ایک ظلم مکاری اور عیاری میں زار روس سے کم نہ تھا۔ لوٹ کھسوٹ کے پورے نظام نے لوگوں کے جسموں سے خون نچوڑ لیا تھا۔ پورا معاشرہ مجرم اور مریض معاشرہ تھا۔ جہاں کہیں کسی کا بس چلتا وہ دوسرے کا گلا کاٹ دیتا۔ زار روس نے ایک انتہائی طاقت ور خفیہ سراغ رساں تنظیم بنا رکھی تھی جو کہ لمحہ لمحہ اور جگہ جگہ کی اطلاعات زار روس کو فراہم کرتی۔ زار روس کی اس طاقت ور سراغ رساں ایجنسی کی وجہ سے وہاں کے عوام اور لوگوں کی تمام امیدیں اور نجات کے لئے ہر قسم کے خیالات ختم ہو چکے تھے۔ یہاں کے لوگ جانوروں کی طرح سر جھکا کر زندگی کے دن پورے کرتے۔ ان کے درمیان اگر کبھی کوئی ان کی نجات کے بارے میں، ان کے مسائل کے بارے میں کسی سیاسی جدوجہد کے بارے میں، ان پر ہونے والے ظلم کے خلاف یا سیاست کے بارے میں بات کرتا تو لوگ اس سے لڑ پڑتے کہ تم صرف ہماری مصیبتوں اور دکھوں میں اضافہ کرنے کے لئے آگئے ہو۔ یہاں کے لوگوں نے اپنے مصائب کو اپنی تقدیر سمجھ کر قبول کر لیا تھا ان کا یہ نظریہ تھا کہ زندگی اسی کا نام ہے۔ ایسے حالات میں تبدیلی کے امکانات بہت کم تھے۔ زار روس نے عوام کو قید کر رکھا تھا اور ان کے ذہن مفلوج تھے۔ زار روس کی خفیہ سراغ رساں ایجنسی لوگوں پر ہر قسم کا تشدد روا رکھتی تھی۔ وہ لوگوں کو قتل کرتی، بغاوتیں کچلتی لوگوں کے گھر بار لوٹتی جوان لڑکیوں کو اٹھا کر لے جاتی اور لوگوں کو غلام بنا کر کام کرواتی۔ مصیبت زدہ لوگ تڑپتے مگر ان کی آواز بے رحم آسمان میں گم ہو جاتی لہو بہتا وسیع زمین اسے جذب کر لیتی۔ زار روس کی حکومت ایک ایسا شکنجہ تھا جس سے کہ کوئی بھی جسم دماغ یا ہاتھ آزاد نہ تھا۔ روس کے عوام اور لوگ اس خفیہ سراغ رساں ادارے سے کانپتے تھے۔ روس کی تاریخ نے ہی لوگوں کو خوف دیا تھا جو کہ ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا تھا۔ بہادری جرات بیباکی صرف ظالم اور ناانصاف زار روس کے کارندوں سے ہی منسوب تھی۔

سماج اور معاشرے پر ٹیکسوں کا بوجھ اور ظلم و زیادتی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو یہاں پر چھوٹی چھوٹی بغاوتوں نے بھی سر اٹھانا شروع کر دیا۔ اسی پس منظر اور انہی حالات نے ایک باغی لینن کو جنم دیا۔ جس کی پشت پناہی جرمنی سے ہوئی۔ زار روس کے اس ظلم کے خلاف کمیونسٹ انقلاب آتش فشاں بن کر پھٹا اور سارے روس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ وہ حالات تھے جہاں انگارے برستے تھے اور ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ صدیوں سے جمع شدہ جبر اور ظلم کے خلاف یہ آگ تھی جس نے ہر اس شے کو جلا کر بھسم کر دیا جس نے ذرا سی بھی رکاوٹ بننے کی کوشش کی یا جو چیز اس کے راستے میں آئی۔ ان حالات میں کوئی نرم سوچ یا نرم ہاتھ لوگوں کے مسائل کا حل نہیں بن سکتا تھا۔ انگاروں سے جس طرح ہمیشہ آگ ہی جنم لیتی ہے اور آگ سے انگارے اسی طرح زار روس کے انگاروں نے ایک بغاوت ایک انقلاب ایک خونی انقلاب روس 1917ء کو جنم دیا۔

سوویت یونین کے اندر وہ تمام حالات پیدا ہو گئے جس سے کہ انقلاب وہاں کی ضرورت بن گیا۔ سوویت یونین معاشی اور سیاسی بحران کی زد میں تھا اور یہ بحران شدت اختیار کر چکے تھے۔ اس انقلاب کی رہنمائی کے لئے انقلابی نظریہ انقلابی تنظیم انقلابی پارٹی اور باشعور افراد کی قیادت لینن نے فراہم کی اور لینن اور سٹالن نے ہر اس تحریک کے خلاف جنگ لڑی جو انقلابی تحریک کو غلط سمت دینا چاہتے تھے۔ موقع پرستی صلح جوئی اور مفاد پرستی کے شکار لوگوں کا انہوں نے قلع قمع کر دیا۔ شکست خوردہ ذہنیت سے اپنی تحریک کو مکمل طور پر پاک کر دیا۔ جہاں انقلابی عوامی فوجوں کے دستے عوام کے حقوق کے لئے جنگ لڑتے وہاں لینن نے بھی ایک خفیہ ایجنسی بنائی جس کا نام کے جی بی رکھا گیا۔ یہ تنظیم جاگیرداروں اور عوام دشمنوں کے خلاف کام کرتی۔ لینن نے زار روس کے تنظیمی ڈھانچے کو تباہ کرنے کے لئے اور ان کی مضبوط جڑوں کو مکمل طور پر کاٹنے اور صاف کرنے کے لئے ان کے اثرات اور باقیات کے خاتمے کے لئے عوامی کمیونسٹ کمیٹیاں جن کا نام سوویت

تھا قائم کیں۔ ان چھوٹی چھوٹی علاقائی کمیٹیوں (سوویت) کی قیادت عوام اور اس کے دانشور طبقات نے کی۔

اس طرح سیاست پر لوگوں کا اور عوام کا مکمل قبضہ ہو گیا اور دانشور اور باعلم افراد کی قیادت میں وہاں کے لوگ ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے۔ کے جی بی نے لینن کے زیر قیادت انقلاب کو مستحکم قدموں پر کھڑا کر دیا اور زار روس کی ظالمانہ حکومت کے اثرات ختم کر دیئے۔ انقلاب نے لوگوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔ سائنس اٹامک انرجی سپیس ٹیکنالوجی اور دیگر علوم میں سوویت یونین صف اول کی ترقی یافتہ اقوام میں شامل ہو گیا۔ پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ سماج کی جگہ ایک ترقی یافتہ کمیونسٹ معاشرے نے لے لی۔ ترقی کی اس رفتار نے ساری دنیا کو حیران کر دیا اور یہ مملکت جلد ہی دنیا کی سپر پاور بن گیا۔ تمام دنیا کے مظلوم عوام خاص طور پر تیسری دنیا کے لوگوں کی نظریں سوویت یونین پر جم گئیں۔ ساری دنیا کے غریب لوگ پر امید ہو گئے اور اپنے مستقبل کے بارے میں ایک سہانا خواب دیکھنے لگے کہ اب انسانیت کی نجات زیادہ دور نہیں ہے۔ لوٹ کھسوٹ کے نظام کے دن اب تھوڑے ہی ہیں۔

سوویت یونین نے مظلوم اقوام کی خود انحصاری کے لئے بے پناہ مدد کی۔ مزدوروں کسانوں اور محنت کشوں کا ایک مربوط بین الاقوامی نظام وجود میں آیا۔ بین الاقوامی سطح پر ظالمانہ طاغوتی اور سامراجی قوتوں کے خلاف ایک مضبوط محاذ آرائی شروع ہو گئی اور اس طرح سوویت یونین کی گود میں مظلوم انسانیت پناہ لینے لگی۔ سوویت یونین میں سو فیصد لوگ تعلیم یافتہ ہو گئے۔ لوگوں کے لئے مفت گھر مفت تعلیم اور مفت سواری اور دیگر سہولتیں میسر ہوئیں۔ روٹی کپڑا اور مکان کا مسئلہ ختم ہوا۔ اس کرہ ارض پر سوویت یونین وہ واحد خطہ ہے جہاں کہ ترقی، علم اور انصاف یکسانیت کی بنیادوں پر فراہم ہوا۔ سوویت یونین میں دور دراز علاقوں میں تعلیم عام ہے اور کہیں غربت یا جہالت ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ کل کا غلام آج کا مالک، مزدور کسان راج، دنیا بھر کے محنت کش ایک ہو جاؤ، محنت کے برابر اجر، ان سب خیالات کی عمل میں پذیرائی ہونا شروع ہو گئی اور یہ نظریات شفق پر ابھرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورج کی طرح دنیا کو منور کرنے لگے۔ پہلی مرتبہ محنت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ڈاکوؤں لٹیروں استحصال کرنے والوں کو ذلت اور رسوائی ملی۔ جلد ہی یہ نظام ساری دنیا میں پھیل گیا۔ سوویت یونین کے بعد چین کی بہت بڑی کثیر آبادی میں کمیونزم کی رحمتیں برسنے لگیں اور افیمیوں کی قوم بھی بے پناہ طاقتور ہو گئی اور اس کی ہیبت کا سکہ دنیا پر بیٹھ گیا۔ عظیم رہنماء چیئرمین ماؤزے تنگ کی قیادت میں چین نے بے پناہ ترقی کی اور نئی دنیا کو نئی فکر کی روشن راہ دکھائی گئی۔ حتیٰ کہ آج امریکہ جاپان فرانس ہندوستان افریقہ پاکستان جرمنی غرضیکہ ساری دنیا کے ممالک میں کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیاں موجود ہیں۔

سوویت یونین نے کمیونزم کو اپنا کر انسانیت کو تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے بچالیا ہے۔ کمیونزم مظلوم لوگوں کے لئے تحفظ جدوجہد اور نجات کا راستہ ہے۔ یہی وہ واحد نظریہ اور امید ہے جس سے کہ کراہتی ہوئی پسی ہوئی انسانیت نجات کے لئے بے کراں ہے۔ کمیونزم اور سوشلزم کی گہری چھاپ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ ملکوں اور نظاموں پر بھی پڑی۔ جاگیردار نے اپنے ظالمانہ اقدام پر نظر ثانی کی اور اپنے آپ کو بدلتے حالات کے تقاضوں کے بوجھ تلے کچھ اصلاحات کو قبول کر لیا۔ اسی طرح سرمایہ داروں کی دنیا میں سوشل سیکورٹی، ویلفیئر سٹیٹ مزدوروں کے لئے ٹرسٹ بے روزگاری فنڈ مفت علاج اور مفت تعلیم مزدوروں کے اوقات کار میں کمی جیسی اصلاحات نافذ ہوئیں۔ یہ اصلاحات کمیونزم کے خوف کی وجہ سے نافذ ہوئیں اور ان اصلاحات نے کافی حد تک انقلابات کو رونما ہونے سے روک دیا۔ کیونکہ اصلاحات کی وجہ سے ظالم اور مظلوم کا تضاد یا ٹکراؤ شدید بھڑکنے والی آگ پکڑنے والی انقلابی صورتحال اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اصلاحات کی وجہ سے انقلابات کا رخ کافی حد تک مڑ گیا ہے اور اب ان انقلابات کے لئے کچھ اور وقت درکار ہے۔ اس سے استحصالی نظام کی زندگی میں کچھ اور دنوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اصلاحات کی وجہ سے کچھ لو اور دو سے معاملات نپٹائے جانے لگے اور ظلم اور بربریت کے نظام کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے مواقع ہاتھ سے جاتے رہے۔

اس کے علاوہ سوویت یونین میں کمیونزم کے آنے سے دنیا بھر کے رجعت پرست اور

دقیانوسی نظام ہائے زندگی میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ اس رجعتی نظام کے محافظوں کے مفادات خطرے میں پڑ گئے ان سب محافظوں نے اعلان کیا کہ کمیونزم کا نظریہ انصاف ہمارے اس نظام میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ لہٰذا رجعت پرستوں اور سرمایہ دارانہ سامراجی دنیا کے مفکرین نے اپنے اپنے لمبے دانت اور پنجے جو گوشت میں پیوست تھے باہر نکال لئے اور اپنے اپنے نظاموں میں کمیونزم کی روشنی میں اصلاحات کا ایک جال بچھا دیا۔

جس کے نتیجہ میں مظلوم طبقات اور ظالم طبقات کے مابین تضادات اور مفادات کے ٹکراؤ کی شدت میں کمی واقع ہوئی۔ تمام وہ نظام جن کی بنیاد ننگے ظلم پر تھی انہوں نے اپنے اعمال پر نظر ثانی کی۔ مگر ان اصلاحات کے باوجود ان کا اثر صرف پہلی دنیا تک محدود رہا۔ تیسری دنیا کو سہولت اس وقت تک دی گئی جب تک کہ تیسری دنیا کی حکومتیں کمیونسٹوں کو شکست دینے کے لئے سامراجیوں کی آلہ کار بنی رہی۔ ان سامراجی ملکوں نے سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد تیسری دنیا کے ممالک پر دوبارہ اسی طرح کے مظالم اور ستم ڈھائے جو کہ ماضی میں ان کا کردار اور فطرت تھی۔ وقتی اصلاحات سے ان کے سانس لمبے ہو گئے چونکہ تیسری دنیا نے بھی کمیونسٹوں کو اس بات کی اجازت نہ دی تھی کہ وہ ظلم اور استحصال کے نظام کو جڑ سے ہی صاف کر دیں۔ لہٰذا یہ سامراجی نظام اب دنیا میں اکیلی ہی ایک طاقت ہے دوبارہ موقع ملنے پر سامراجی ظالمانہ فطرت اپنا رنگ دکھا رہی ہے اور پورے جوبن پر ہے اور تمام دنیا کے مظلوم لوگ اس کا شکار ہیں۔

اب مزید یہ سوال ہے کونسے حالات تھے کہ دنیا کا سب سے زیادہ طاقت ور نظام کمیونزم سوویت یونین میں شکست سے دوچار ہوا۔ لاکھوں کروڑوں محنت کش جن کی نجات کمیونزم تھا وہ کہاں سو گئے۔ دنیا بھر کے مظلوموں کی آواز کیا اتنی کمزور تھی؟ کیا سوویت یونین کے رہنما اپنے پچھتر سالہ دور میں کوئی کمیونسٹ ادارہ نہ بنا سکے۔ کیا کمیونسٹ نظام صرف چند ڈکٹیٹروں کے تابع تھا۔ کمیونزم کا اگر منظم ادارہ تھا تو پھر گورباچوف کیسے پیدا ہوا؟ سوویت یونین میں کون سی وجوہات نے گورباچوف کو جنم دیا۔ گورباچوف ایک شخص کا نام نہیں یہ ایک مستقل عمل تھا۔ لینن کے وقت سے شروع سٹالن کے دور سے گذرتا ہوا گورباچوف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خروشیف کے وقت میں سر اٹھانے لگا اور اب فاتح قرار پایا۔ تمام کمیونسٹوں کا مرکز ثقل سوویت یونین دھڑام سے انتہائی ذلت آمیز شکست کے ساتھ امریکہ کے قدموں پر گرا۔

میں نے حال ہی میں سوویت یونین کا ایک تین ماہ کا مطالعاتی دورہ کیا ہے۔ یہ دورہ میں نے 18/ دسمبر 1993ء سے 18/ مارچ 1994ء تک کیا میں بشکیک، الماتا اور ماسکو گیا۔ وہاں میری ملاقات مختلف سیاسی پارٹیوں کے قائدین عدلیہ کے اعلیٰ عہدے داران، ججوں، صحافیوں، پروفیسروں اور محنت کشوں سے ہوئی۔ جوائنٹ کمیونسٹ پارٹیز کے نائب صدر سے میری طویل ملاقات ہوئی۔ چیف جسٹس اور دیگر جج حضرات سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور خاصہ مباحثہ رہا۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی، کمیونسٹ پارٹیوں چیف ایڈیٹر گلاسناسٹ سے بھی میری ملاقات ہوئی۔ سوویت یونین میں پیدا شدہ سیاسی صورت حال کے بارے میں ہم نے مذاکرات کئے۔ سوویت یونین میں پیدا شدہ سیاسی صورت حال کے بارے میں ہم نے مذاکرات کئے۔ سوویت یونین میں کمیونزم کی ناکامی کی وجوہات پر ہم نے بحث کی اور ان کے خیالات کی روشنی میں میرا مختصر سا تجزیہ ہے۔

گورباچوف بحیثیت ایک ذات نہیں ہیں بلکہ گورباچوف اس گروہ کا نام ہے جسے ہم بجا طور پر مارکسزم سے گمراہی کا نام دے سکتے ہیں۔ لینن کے وقت میں ہی لینن کے دور ہی سے یہ گمراہی اور تاریکی کے خیالات موجود تھے۔ جن کی قیادت ٹراٹسکی کر رہا تھا۔ ٹراٹسکی کے پیروکار موجودہ روسی بحران کو سٹالنزم کی ناکامی کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ اصل اختلاف لینن اور ٹراٹسکی کے درمیان تھا۔ جس میں کہ سٹالن، لینن کا حامی تھا۔ لینن نے اپنے وقتوں میں ان خیالات کو جڑ پکڑنے کا موقع نہ دیا تھا اور سٹالن نے اپنے دور میں مکمل طور پر ان خیالات کی بیخ کنی کر دی تھی۔ مگر یہ خیالات راکھ کے ڈھیر میں دبے رہے اور پہلی مرتبہ خروشیف کے زمانے میں اس بیماری نے جڑ پکڑی اور اس لاحق بیماری سے سوویت روس کی موت گورباچوف کے دور میں اپنے انجام کو پہنچی۔ یہ نظریہ ایک آزاد خیالی کا نظریہ تھا۔ یہ نظریہ کہ انقلاب جمہوریت کے ذریعے ممکن ہے۔ یہ امن کا نظریہ تھا۔ یہ سوشل ڈیموکریٹس کا نظریہ تھا۔ لینن سے لے کر آج تک کمیونزم نے سوویت یونین کو ایک مستحکم

نظام دیا۔ مگر گورباچوف کا گلاسناسٹ اور پریسٹرائیکا چند قدم چلنے کے بعد منہ کے بل گر پڑا۔ گورباچوف کو انتہائی ذلت آمیز طریقے سے عنان حکومت سے علیحدہ کیا گیا اور امریکہ کی ایک اور کٹھ پتلی بورس یلسن نے حکومت سنبھالی۔ جب انتخابات کروائے گئے تو الیکسانڈر رسکوئی اکثریت سے جیت گیا اور یلسن کو شکست ہوئی مگر یلسن نے فوجی طاقت اور مافیا کے زور بازو پر اسمبلی کے اندر پانچ سو اسے بھی زیادہ ممبران قومی اسمبلی کو قتل کروا دیا اور الیکسانڈر رسکوئی کو گرفتار کر لیا گیا اور اب عوام پر جبر کے ساتھ وہ حکومت کر رہا ہے اور ٹینک اور فوج کے زور سے عوام کو پابہ زنجیر کر لیا ہوا ہے۔ گورباچوف انسانیت کا بہت بڑا مجرم ہے وہ انسانیت کا قاتل ہے اور بین الاقوامی امریکی سازش کا علمبردار ہے۔ اس نے تمام دنیا میں سوشلسٹ صفوں میں انتشار پیدا کیا۔ اس نے امن کے نام پر ایک غیر اصولی اتحاد کیا ہے۔ اس غیر اصولی اتحاد نے امریکہ کو شہہ دی اور امریکہ نے غریب ملکوں کے اندر تباہی مچادی۔ عراق کویت جنگ، صومالیہ ایتھوپیا، کوریا لیبیا کی صورتحال سے لے کر روانڈا تک یوگوسلاویہ میں خانہ جنگی اسی غیر اصولی اتحاد کا نتیجہ ہیں۔ گورباچوف نے مارکسزم سے بنیادی طور پر انحراف کیا ہے اور نظریاتی کشمکش کو رد کیا ہے۔ گورباچوف ایسا غدار ہے جس نے ہمیں ہتھیار پھینکنے پر مجبور کیا ہے اس طرح سوشلسٹ دنیا کے ہاتھ ساتھ تیسری دنیا کے تمام پسے ہوئے عوام کو بھوکے امریکی مفادات کی گود میں دھکیل دیا ہے۔ انسانیت کے نام گورباچوف نے امن کی نئی اصطلاحات کی ہیں۔ اس کے مطابق ڈاکو اگر آپ کا گھر لوٹنے آئے تو امن کی خاطر آپ اپنے دروازے اس کے لئے کھول دیں اور اپنے بھائیوں سے ہتھیار چھین لیں اور لٹیروں کو اپنے گھر کا سربراہ مان لیں سارا سامان ان کے حوالے کر دیں امن قائم رہے گا۔ چند روز پہلے امریکہ سامراج تھا اور اب گورباچوف صاحب فرماتے ہیں کہ ہم کوئی ایسی بات نہیں کر سکتے جو امریکی مفادات کے خلاف ہو بلکہ یہ مفادات تو ہم آہنگ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں بات صاف عیاں ہے کہ روس بھی اب ایک سامراجی قوت کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ بن گیا ہے۔ گورباچوف کے بدلنے سے کیا مادیت کا فلسفہ بدل گیا ہے؟ کیا سائنس کے قوانین سماجی قوانین اپنا راستہ چھوڑ گئے ہیں۔ وجوہ اور نتیجہ کا رشتہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹوٹ گیا ہے؟ ہر انسان اپنے ذاتی مفاد اور ضروریات کی اکائی نہیں رہا؟ طبقاتی تضاد کیا ختم ہو گیا۔ میرے گھر میں بھوک ہے یہ جہنم بجھ گیا ہے کیا؟ عوامی شعور کیا گورباچوف کا منہ تک رہا ہے؟ یہ واقعاتی سانحے آتے ہیں گذر جاتے ہیں لیکن تاریخ کے فیصلے سماجی ضرورتوں کے تحت ہی ہوا کرتے ہیں۔

گورباچوف فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں جو بھی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں وہ تاریخ کا ناگزیر عمل ہے۔ ہم سوویت کمیونسٹ اپنے تجربات اور مشاہدات سے جانتے ہیں کہ زندگی کو تصورات خیالات اور عمل کی دنیا سے دور نظریات کی زنجیروں میں نہیں جکڑا جا سکتا۔ گورباچوف فرماتے ہیں ہمیں زندگی کی حقیقتوں کو پہچاننا چاہیئے اور حقیقی تقاضہ وقت کے ساتھ اپنی پالیسیوں کا تعین کرنا چاہیئے۔ گورباچوف نے اپنے آپ کو کمیونسٹ کہہ کر انتہائی بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ گورباچوف کا نقطہ نگاہ لینن ازم اور مارکسزم کے منافی ہے۔ لینن کے مطابق مشاہدات، تجربات اور عمل سے ہی نظریہ جنم لیتا ہے اور پھر یہ نظریہ دوبارہ عمل کی رہنمائی کرتا ہے۔ کمیونسٹ نظریہ ہزاروں سالوں کے تجربات مشاہدات اور عمل سے کشید کیا ہوا نظریہ ہے جس کی بنیادیں سائنس اور سماج کے اندر گہری ہیں۔ یہ معاشیات اور لوگوں کی ضروریات کا نظریہ ہے اور لینن نے مزید کہا کہ نظریے کے بغیر عمل اندھا ہوتا ہے۔ گورباچوف نے ان سب باتوں سے انکار کر کے انتہائی طور پر کم علمی کا ثبوت دیا ہے۔ سوویت یونین سائینسی سوشلزم کے نظریہ پر عمل پیرا تھا اور گورباچوف نے کون سی تصوراتی ریاست پر تنقید شروع کر رکھی ہے یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ شارک چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے کیا یہی حقیقت گورباچوف ہمیں سمجھا رہے ہیں۔

گورباچوف نے مارکس کے نظریہ سے انکار کیا ہے کارل مارکس نے کہا ہے کہ مختلف فلسفیوں نے دنیا کی تشریح مختلف طریقوں سے کی ہے لیکن اصل مسئلہ اس کو تبدیل کرنے کا ہے۔ جنگجویانہ انقلابی کردار مارکسزم کی روح رواں ہے۔ یہ پسے ہوئے مظلوم طبقات کو دعوت فکر اور دعوت عمل دیتا ہے اور اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ انقلابی نظریات کے بغیر کوئی انقلابی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ حقیقت کیا ہے یہ سمجھنا ہمارے لئے ضروری ہے

لیکن یہ ہمارا مسئلہ ہرگز نہیں ہے ہمارا اصل مسئلہ حقیقت کو تبدیل کرنا ہے۔ فطرت کی عادت سمجھنے کے ساتھ ساتھ فطرت کو تبدیل کرنا ہی ہمارا مقصد ہے اور یہی مارکس کا فلسفہ ہے جس سے کہ گورباچوف کو انکار ہے۔

گورباچوف نے کہا دوہرے ضوابط ذات پرستی ذاتی مفاد پرستی اجتماعیت سے انکار مختلف چہرے اور روپ، دوگلاپن دہری اخلاقیات یہ سب باتیں سوشلزم کے خلاف ہیں۔ گورباچوف نے کہا کہ دنیا امن و انصاف کا گہوارہ ہو گی، گھر ہو گی اور تمام لوگ اس میں ایک خاندان کی طرح رہتے ہوں گے کوئی دوسرے کا حق غصب نہیں کرے گا۔ ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جو کہ اس نے محنت کی۔ ان کے مطابق اگر ہم اپنے ذاتی مفادات کو پس پشت ڈال دیں اور پھر اجتماعی اور عوامی مفادات کو مان لیں تو دنیا خود بخود امن کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ ان نیک تمناؤں کے ساتھ گورباچوف ایک شیطان کی تخلیق بھی کر دیتے ہیں۔ نجی ملکیت کی اجازت ہے گورباچوف ذاتی ملکیت کی اجازت دیتے ہیں اور بار بار اعلان کرتے ہیں کہ وہ یہ تمام اصلاحات مارکسزم اور لینن ازم کی روشنی میں کر رہے ہیں۔ نام نہاد انسانیت کے دعوے سب فریب ہیں۔ گورباچوف کا خیال نظریہ ارتقاء کی تردید کرتا ہے، وہ علم سے جہالت کی طرف بڑھنے کو نشوونما اور تبدیلی کا نام دیتے ہیں۔ گورباچوف کے جاہلانہ اقدامات نے دنیا کو ایک بار پھر تاریکی اور استحصال کی گود میں پھینک دیا ہے۔ اس طرح دنیا کی سیاست میں منافقت کا ایک مہیب جال بنا گیا ہے جس میں عام انسان ہی نہیں بلکہ تیسری دنیا کی اقوام پھنس کر بے سروسامانی اور تباہی و بربادی کا شکار ہو رہی ہیں۔ لیکن گورباچوف کا دیا گیا نظام چند دن چند قدم بھی کامیابی کے ساتھ نہ چل سکا اور اوندھے منہ گر گیا۔

سوویت یونین میں کمیونزم کو ایک وقتی زوال آیا ہے اس وقتی کمیونزم کے زوال کی کئی وجوہات ہیں۔ کمیونزم کی جنگ اس انتہائی طاقتور استحصالی نظام سے ہے جس کی جڑیں بہت مضبوط ہیں اور اس نظام کی تنظیم صدیوں پرانی ہے اور یہ تنظیم بہت زیادہ تجربہ کار قیادت کے تابع ہے جو ہر طرح ہر ہتھیار اور حکمت عملی علم سائنس ٹیکنالوجی اور دولت سے مسلح ہے۔ سوشلزم کی شروعات جب کسی ایک سماج یا معاشرہ سے ہوتی ہے تو فوراً ہی اس مقابلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پورا استحصالی نظام خطرہ محسوس کرتا ہے۔ چونکہ دنیا کی سطح پر استحصالی نظام کی تنظیم کو سامراج کہتے ہیں ہر ملک کا سرمایہ دار مل کر سامراج کا حصہ دار ہوتا ہے۔ دنیا کی تمام جاگیردار اور سرمایہ دار حکومتیں اور طبقات سوشلزم کو اپنی موت سمجھتے ہیں لہٰذا سوشلزم کو ختم کرنے کے لئے وہ اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں۔ دو متحارب گروپوں میں ظالم اور مظلوم کی اس مقابلہ کی جنگ میں ایک کی شکست لڑائی کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ سوشلزم جب کسی ایک سماج یا معاشرہ سے شروع ہوتا ہے تو اس کا نظام عدل کسی قسم کے استحصال کی اجازت نہیں دیتا لہٰذا سوشلزم کے پاس نظام سرمایہ داری یا سامراج کے مقابلہ میں وہ معاشی بنیاد فراہم نہ ہو سکی جس سے کہ اس کا مقابلہ کر سکتا۔ معاشی فوائد اور نفع سے بالا تر سوچ رکھنے والا سوشلزم اس نظام سے وقتی شکست کھا گیا جس نظام کی نہ تو اخلاقی قدریں ہیں اور نہ ہی اس کی آنکھیں جو کہ لوٹ مار کی وجہ سے خونریزیوں کا احساس کر سکے اور یہ سامراجی نظام معاشی لوٹ کی وجہ سے اتنا طاقتور ہے کہ اس کا شکار ہونے والی تیسری دنیا کی اقوام بھی اپنے خلاف ہونے والے ظلم کی ہی ساتھی ہیں مگر سوشلزم کی فتح ناگزیر اور اس کا انحصار تمام دنیا کی مظلوم اقوام اور عوام کی شعوری بیداری اور علم پر ہے۔ جب سوویت یونین میں سوشلزم کا نفاذ ہوا تو عوامی حکومت نے ہر شخص کو ضروری روزگار مہیا کیا۔ ہر شہری کو مفت تعلیم ملی، روٹی کپڑا مکان، سفر، سیاسی فیصلوں میں عوام کی شمولیت ہوئی۔ ہر قسم کے نفع کو نظر انداز کر دیا گیا۔ یہ بہت بھاری معاشی بوجھ تھا جو کہ حکومت نے اٹھایا۔ ایک یکساں ہمہ گیر عدل کا نظام سوویت یونین کے شمال سے لے کر جنوب تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک رائج ہوا۔ سب افراد کا برابر کا حق۔ جو بھی سہولت عوام کو دی جاتی اس میں حکومت اپنا کوئی منافع نہ رکھتی۔ صرف گاڑی کی روزمرہ کی شکست و ریخت ایندھن کا خرچہ اور ملازمین کی تنخواہ کے برابر عوام سے سفر کا کرایہ لیا جاتا۔ اس وجہ سے حکومت کے پاس اتنا منافع یا سرمایہ جمع نہ ہو سکا جو کہ بین الاقوامی سطح پر سامراجی ہتھکنڈوں کا مقابلہ کر سکتا یا کمیونسٹ نظام کی بقاء کے لئے اسے وہ معاشی بنیاد فراہم کر سکتا جو کہ مقابلہ کے امتحان کے لئے بہت ضروری تھی۔

کمیونزم سوویت یونین میں عمل کے راستے سے گزرتا ہوا ساری دنیا کو عدل کا پیغام دینے لگا۔ سوویت یونین کی کوشش رہی کہ سوشلزم ایک بین الاقوامی طاقت کے طور پر منظم ہو اور صرف یہی وہ راستہ تھا جس سے کہ سامراج کی شکست ممکن تھی۔ سوویت یونین کے کمیونسٹ نظریے کے مطابق اس سرزمین پر اس کرہ ارض پر یکساں اور ہمہ گیر ترقی ہونا چاہیئے۔ ان کے نزدیک افریقہ اور جنوبی امریکہ میں بھی تعمیر و ترقی علوم کا معیار اور خوشحالی وہی ہونا چاہیئے جو کہ امریکہ اور سوویت یونین میں ہے۔ دنیا کا ہر خطہ یکساں ترقی کرے۔ کمیونزم کسی بھی ایک ملک کی ترقی و خوشحالی کی مخالفت کرتا ہے اگر یہ ترقی اور خوشحالی دوسرے ممالک کے عوام کے استحصال اور لوٹ پر بنیاد رکھتی ہو۔ کمیونزم کے نزدیک سامراجی ممالک کی ترقی کا راز باقی دنیا کی غلامی میں مضمر ہے۔ جس کی کہ کمیونزم مخالفت کرتا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے سوویت یونین نے بین الاقوامی سطح پر کمزور ممالک کی بلا معاوضہ بے پناہ مدد کی اور ان ممالک میں بنیادی صنعتیں قائم کیں تاکہ یہ ممالک خود انحصاری پر عمل کرتے ہوئے شعور اور بیداری کی منزلیں طے کریں اور اس طرح بین الاقوامی سامراج کے پنجہ سے آزادی حاصل کر سکیں۔ سوویت یونین کی معیشت کا کافی حصہ بین الاقوامی کمیونزم کی بنیادیں مضبوط کرنے پر خرچ ہوا۔ سوویت یونین نے سوشلزم کے اس نظریے کے مطابق کہ دنیا میں ہر ملک میں ترقی کا معیار برابر ہونا چاہیئے اپنے ہمسایہ ممالک میں جو بھی صنعتیں لگائی گئیں۔ اس میں سوویت یونین کے منافع کو قطعی طور پر مد نظر نہ رکھا گیا اس طرح یہ معاشی بوجھ بھی بہت بھاری تھا جو کہ سوویت روس کی معیشت اٹھانے کے قابل نہ تھی۔

سوشلزم نہ صرف ایک فلسفہ کا نام ہے بلکہ یہ ایک مشکل عمل بھی ہے۔ سوشلزم تہذیب یافتہ اور مہذب معاشرہ کی پہچان ہے۔ یہ انسان کو جانور کی فطرت سے الگ کرتا ہے۔ یہ تہذیب کو اعلیٰ بنیاد اور مقام فراہم کرتا ہے۔ تہذیب کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جب کہ زراعت شروع ہوئی۔ زراعت کے عمل نے ہی جانور اور انسان میں فرق پیدا کیا۔ سوشلزم نے فرد کے اندر چھپی خود غرضی سے جنگ کی۔ جانور کی فطرت یہ ہے کہ یہ میری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی اور میری جان ہے چھینا جھپٹی کھینچا تانی دوسرں کو مار اپنا پیٹ بھرنا، اور صرف موجود لمحات کے بارے میں سوچنا، اگر میری زندگی نہیں تو باقی دنیا کس کام کی اسی جانور کی فطرت نے عدم اعتماد، تنظیمی فقدان، مستقبل کی سوچ کا فقدان اور انتشار دیا۔ یہ ایک بے ربط بے ہنگم بلا نتیجہ بغیر تعاون کے بکھرے ہوئے عمل ہیں جن کا شکار قومیں اجتماعی طاقت کے فقدان کی وجہ سے انفرادی ذاتی مفادات کی لعنت کی وجہ سے غربت غلامی اور جہالت کا شکار رہی ہیں اور ان کی تہذیب و ترقی و ارتقاء جامد و ساکت ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس زراعت کے عمل نے جانور کی فطرت کی تعلیم و تربیت کی۔ زراعت نے ہمیں یہ بتلایا کہ بیج تمہارے سامنے پڑے ہیں تمہیں بھوک لگی ہے مگر یہ بیج تم نے نہیں کھانے۔ صبر سے کام لینا ہے اور آنے والے کل اور خوشحال مستقبل کے لئے ان بیجوں کو بو دینا ہے۔ بو دینے کے بعد گرمی اور سردی کی شدت میں چھ ماہ بلا معاوضہ کام کرنا ہے حوصلہ سے ربط سے تنظیم سے اور بھائی چارے سے چھ ماہ بعد ایک ایک بیج تمہارے لئے بے حساب رحمتوں کی بارش کرے گا۔ فصل تیار ہو گی جس سے کہ اکیلے تم ہی نہیں پوری انسانیت پورا قبیلہ کنبہ گروہ لوگ عوام فیضیاب ہوں گے۔ اسی زراعت کے سبق نے انسان کو بلند حوصلگی دی وسعت قلب دیا اور تہذیب و تمدن کی وہ بنیادیں فراہم کیں جس سے کہ موجودہ ترقی یافتہ تہذیب کمیونزم نے جنم لیا۔ میری جان میرے ہر ساتھی پر قربان اس سوچ نے انتشار مفاد پرستی کمزوری علیحدگی اکیلا پن ہٹ دھرمی شکست عدم تعاون بداعتمادی کی لعنتوں سے انسان کو بچا لیا۔ انسانوں کے ہجوم جب اجتماعی سوچ رکھتے ہیں تو یہ اس تعاون کے نتیجے میں کامرانیوں شادابیوں اور رحمتوں کے بے شمار انعامات حاصل کرتے ہیں۔ جس وقت بھی انسان کے اندر چھپی شیطانی فطرت نے یہ کہا کہ یہ چیز صرف میری ہے وہی دن انتشار اور خونریزی کا ہوتا ہے۔ سوشلزم نے اس شیطانی فطرت سے ہمیشہ جنگ کی ہے۔ لیکن ہماری صفوں کے اندر چھپے سانپ اور بچھوؤں نے کہا کہ دنیا کی ہر چیز میری ہے اسی خیال نے عدم مساوات دی اور پھر اسی عدم مساوات نے جرم جنگ جہالت اور خونریزی دی۔ ہمارے ہی اندر چند بدکردار انسان اپنے باقی بھائی بندوں کے پینے والے پانی میں زہر ملا دیتے ہیں اور ان

کا جواز یہ ہوتا ہے کہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کے روزگار کے لئے ہم نے ساری قوم کے بچے بھوکے مار دیئے ہیں۔ اس قسم کے ایجنٹ چھوٹی سطح پر بھی موجود ہیں اور سامراجی حکومتیں اسی قسم کے سیاسی ایجنٹوں کو تیسری دنیا کی قیادت فراہم کر دیتی ہیں اور انہیں ہمارے حکمران بنا دیا جاتا ہے۔ ان سیاسی ایجنٹوں اور مجرموں نے وسیع تر آبادیوں کو تشدد اور فوج کشی کے زور پر قابو رکھا ہے۔ یہ ہمارے معاشی آقا بھی ہیں۔ روٹی کے چند ٹکڑوں کے عوض ہم نے اپنا خون ان کو پلا دیا۔ ان ایجنٹوں نے ہمیں غلامی کی زندگی دی۔ یہ لوگوں کو ان کے حقوق ان کے وسائل اور ان کی طاقت سے بے خبر رکھتے ہیں۔ عوام کی ساری محنت لوٹ کر چند گھر سونے اور چاندی سے بھر لئے جاتے ہیں۔ صرف یہی چند خونخوار درندے ہماری سیاسی نمائندگی کرتے ہیں۔ کمیونزم کے نظام کو انہوں نے شکست دی ہے۔ ان کے نزدیک کمیونزم شکست کھا چکا ہے۔ موجودہ کمیونزم کی شکست ان ہی کی تشہیر و تبلیغ کا نتیجہ ہے۔ شاید سوویت یونین کا کمیونزم شکست کھا چکا ہو۔ لیکن دنیا بھر کے مظلوم عوام کا کمیونزم ابھی تک تمہارے سروں پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہے۔ تمہارے سینوں میں پیوست خنجر ہے۔ تمہارے گھروں کے اندر بغاوت اور انصاف کا نام کمیونزم ہے۔ درحقیقت دنیا کی تمام آبادیاں اگر آزاد ہو جائیں تو یہ سب سوشلسٹ ہی ہیں کیونکہ یہ استحصال کے خلاف ہیں۔

چین کے بدنما کردار نے بھی روس کی موت کے عمل کو تیز کر دیا۔ ماؤزے تنگ نے اپنی جوانی میں اور آخر دم تک امریکہ کے ساتھ دوستی کا ہاتھ نہ بڑھایا تھا۔ عظیم رہنما ماؤزے تنگ نے روس کو ترمیم پسند کہا اور روس کی اس سیاست کی مخالف کی جو امریکہ کی طرف صلح جوئی کا ہاتھ بڑھاتی تھی۔ ماؤزے تنگ نے ہمیشہ غیر اصولی امن کی مخالفت کی لیکن ماؤزے تنگ آخری عمر میں تھے اور جب دماغ ان کا ساتھ چھوڑ گیا تو چین کے دیگر رہنماؤں نے امریکہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ماؤزے تنگ جو کہ اس وقت بیماری کی حالت میں تھے اور ان کی سوچ اور فیصلہ کی قوت ختم ہو چکی تھی۔ ان کو انجکشن لگا لگا کر ان کو کھڑا کیا اور ان کے ساتھ امریکی رہنما کی ملاقات کروائی۔ اس سے ایک سازش کے ذریعے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے چینی رہنماؤں نے ماؤزے تنگ کے اس فلسفہ سے اسی رہنما کے ہاتھوں اس کی ہی انکاری کروا دی۔ جس کی وکالت کہ ماؤزے تنگ نے زندگی بھر کی تھی اور نہ صرف وکالت بلکہ اپنے نظریات کے لئے ساری عمر انہوں نے ایک مجاہدانہ جنگ لڑی۔ اسی فلسفہ کی تردید انہی کے ہاتھوں یہ ناممکن بات تھی۔ بہر صورت چین کا بین الاقوامی سیاست میں انتہائی بدنما کردار اس وقت سامنے آیا جبکہ پہلی مرتبہ اس نے روس کو چھوڑ کر امریکہ سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ روس اور چین کے مابین اختلافات ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ کمیونزم کے اندر کے اختلافات تھے۔ امریکہ اور چین میں کون سی قدر مشترک تھی کہ چینی رہنماؤں نے امریکی دوستی قبول کر کے اپنے قائد اور اپنے ماضی کا انکار کیا۔ چین کے اس عمل نے کمیونزم کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ کمیونزم کے وقتی زوال اور سوویت یونین کی تقسیم اور شکست نے آخر کار چینی بیرونی سیاست پر بھی برے نتائج مرتب کئے۔ چین نے بین الاقوامی سطح پر کمیونزم کا قتل کیا۔ چونکہ کمیونزم ایک معاشی نظام ہے اور اس کا گہرا تعلق معیشت سے ہوتا ہے اور معیشت ہمیشہ بین الاقوامی ہوتی ہے۔

اس طرح عملاً چین کا سوویت یونین کے ساتھ کاروباری اور معاشی بائیکاٹ سوویت یونین کے اندر کمیونزم کی شکست کی سب سے بڑی وجہ بنا۔ حالانکہ چین میں کمیونسٹ انقلاب لانے کے لئے سوویت یونین نے چین کے عوام کی بے پناہ مدد کی تھی۔ امریکی سامراج نے سوویت یونین کے خلاف چین کی دوستی کو بہت اہمیت دی اور امریکہ نے سوویت یونین کو ثابت کیا کہ امریکہ چین کا بہت بڑا دوست ہے۔ لیکن جب سوویت یونین کی معیشت چین کا بائیکاٹ برداشت نہ کرتے ہوئے زوال پذیر ہوئی اور امریکہ کے قدموں کو چاٹنے لگی۔ تو یکدم امریکی سامراجی سیاست نے اپنا پینترا بدلا اور اب روس اور اس کی ریاستوں کے ساتھ امریکہ دوستی کا دم بھرنے لگا اور چین کے ساتھ اپنے تیور بدل لئے۔ سوویت یونین کو گرانے کے بعد امریکہ کا اب سب سے بڑا حملہ کرنے کا نشانہ چین ہے تاکہ کمیونزم کو اپنی جڑوں سے اکھاڑ دیا جائے۔ چین کے فلسفیوں اور سیاست دانوں کو اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہیے کہ انہوں نے اپنے عظیم رہنما ماؤزے تنگ کے اصولوں کی خلاف

ورزی کر کے اس کی بے حرمتی کی ہے۔ انہوں نے اپنے اس عمل سے نہ صرف سوویت یونین کے زوال میں سرعت پیدا کی بلکہ انجام کار اپنے آپ کو بھی خطرات کے طاقت ور گھیراؤ میں پھینک کر کمیونزم جیسے عظیم نظریے کے لئے مشکلات پیدا کر دیں۔ حالانکہ چین اور سوویت یونین کا اتحاد دنیا کا طاقت ور ترین اتحاد ثابت ہو سکتا تھا جس کے سامنے کہ سامراجی قوتیں بے حد کمزور پڑ جاتیں کیونکہ ہندوستان کے علاوہ باقی تمام تیسری دنیا کے ممالک کا جھکاؤ بھی کمیونسٹ دنیا کی طرف تھا کیونکہ کمیونزم ہی پسے ہوئے طبقات اور مظلوم اقوام کی نجات کی ضمانت دیتا ہے۔

آج پوری دنیا سامراج کی لپیٹ میں گرفت میں آنے کی بجائے کمیونزم کے حلقہ بگوش ہوتی۔ تاریخی اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی استحصالی قوتوں نے جن میں امریکہ جرمنی، جاپان، انگلینڈ اور فرانس شامل ہیں استحصالی نظام کو قائم رکھنے کے لئے آپس میں ایک مضبوط اتحاد کیا۔ یہ ممالک سائنسی اعتبار سے بہت اعلیٰ افضل درخشاں ماضی رکھتے ہیں۔ ان سامراجی ممالک نے اپنے دست نگر تمام غلام ممالک کو بھی استعمال کیا۔ ان سب استحصالی قوتوں نے مل کر سوویت یونین کے گرد ایک مضبوط سیاسی معاشی اور فوجی حصار بنا لیا۔ تیسری دنیا کے تمام ممالک امریکی اتحاد کی منڈیاں بن گئیں۔ سب غریب ممالک اپنے ہی اوپر ہونے والے تشدد اور لوٹ کھسوٹ کے نظام کی حمایت کرنے لگے اور ان جونکوں کو بخوشی خون پلانے لگے۔ اس میں پاکستان ایران ترکی عرب ممالک ان سب کا ایک مضبوط حصار جس نے سوویت یونین کو گرم پانیوں تک پہنچنے سے روکے رکھا اور اس سے سوویت یونین کی معیشت متاثر ہوئی۔ سوویت یونین کی تجارت سیاسی طور پر بھی ختم کر دی گئی۔ دنیا بھر کی منڈیوں میں سوویت یونین کا دس روپے کا مال نہیں خریدا گیا جبکہ دوسرے ممالک کا سو روپے کا مال خرید لیا گیا۔ اس سے سوویت یونین کی معیشت کے قدم ڈگمگائے اور پھر اس نے دم توڑ دیا۔

اس کے مد مقابل امریکہ اینڈ کمپنی کا سرمایہ دارانہ نظام درحقیقت کوئی نظام نہیں ہے بلکہ کھلی معاشی لوٹ ہے۔ سیاسی مجبور ممالک کے مال کو سستے داموں خریدا جاتا ہے اور اپنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگی سامان اور دیگر اشیاء مہنگے داموں زبردستی سیاسی دباؤ کے ذریعے بیچی جاتی ہیں۔ قرضوں کا مہیب جال بن کر خون نچوڑ لیا جاتا ہے۔ بلیک میلنگ فوجی طاقت دکھا کر خوف زدہ کر کے جگا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ تمام دنیا کے سمندروں ہواؤں اور پانیوں کی دولت لوٹ کر یہ طاقت ور امریکی سامراجی سرمایہ داری نظام اپنی کامیابی کا ڈنکا پیٹ رہا ہے۔ دنیا بھر کے غریب عوام نے مل کر وہ حالات پیدا کر رکھے ہیں جس سے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کے لئے سرمایہ مہیا ہوتا ہے اور پھر اسی سرمایہ سے امریکہ نے غریبوں مزدوروں بے کسوں محنت کشوں کے سب سے بڑے نظام کمیونزم کو ایک عارضی شکست دی۔ سوویت یونین کے زوال کی ایک اور وجہ بھی ہے جو کہ اپنے حالات کے اعتبار سے ناگزیر بھی تھی کہ سوویت معیشت کا بہت بڑا حصہ ہتھیاروں پر خرچ کیا گیا۔ ایٹم سپیشن ٹیکنالوجی میزائل ٹینک وغیرہ۔ امریکی معیشت اس قسم کا بوجھ اٹھا سکتی تھی کیونکہ اس معیشت کا انحصار بین الاقوامی استحصال پر ہے۔ مگر سوویت یونین نے امریکہ کا ہتھیاروں کے میدان میں مقابلہ کر کے سامراجی قوتوں کے آگے بڑھتے ہوئے قدموں کو تو روک دیا مگر کیونکہ اس کا نظام کسی استحصال یا لوٹ پر بنیاد نہیں رکھتا تھا صرف یہ عوام کی محنت کا سرمایہ اور نتیجہ تھا۔ لہٰذا سوویت ہتھیاروں کی دنیا میں برابری کی وجہ سے سوویت یونین اندرونی طور پر معاشی خلفشار اور عوامی مایوسی کا شکار ہو گیا۔ کیونکہ یہاں کے سیاسی لیڈروں نے عوام کو نظریاتی تعلیم و تربیت اور قربانی کی مخالفت میں تحریکیں چلائی تھیں اس لئے عوام نے اس معاشی بوجھ کو بخوشی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور سیاسی بے راہ روی نے جنم لیا۔ یہ سب وہ حالات تھے جس سے کہ روسی معیشت نے دم توڑ دیا۔ اس سے وہ حالات پیدا ہو گئے جس سے کہ کمیونسٹ معاشرہ کا ارتقاء جامد اور ساکت ہو گیا۔ اور سوویت روس کے اندر چھپے سانپوں اور بچھوؤں نے سر اٹھا لیا۔ سوویت روس کے اندر چھپے بے پناہ طاقت ور طاغوت نے بیرونی طاغوت سے ہاتھ ملا لیا۔ موجودہ جلتا روس جہاں بھوک اور ننگ ہے۔ راتوں کو ڈاکو لوٹ لیتے ہیں۔ عصمت فروشی عام ہے۔ بھکاری بھی موجود ہیں۔ سرکاری محکموں میں رشوت عام ہے مافیا کا راج ہے۔ بعض سرکاری افسروں کے کمروں میں میں نے امریکہ کے چھوٹے

جھنڈے بھی لگے دیکھے۔ قومی ڈسپلن اور لاپرواہی کا یہ حال ہے کہ ماسکو کے بازاروں میں ٹاور پر لگی گھڑیاں ایک ساڑھے گیارہ بجا رہی اور دوسری ڈھائی ساتھ والے بازار میں ساڑھے تین بج رہے ہیں۔ آج کل امریکہ کی ہوا روس میں چل رہی ہے۔ نئی نسل ڈسکو ڈانس، ننگے رسالے جنسیات اور کرائم واردات کرنا ان کا مشغلہ ہے۔ بیوروکریسی بے پناہ بدکردار ہے۔ یہی ہے آج کا روس۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد سوشلسٹ قوتوں کا شیرازہ بکھر گیا ور ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ ان کی مرکزیت اور ہیڈ کوارٹر ٹوٹ گیا۔ یہ منظم ادارے کی حیثیت سے اپنا وجود کھو بیٹھے۔ ان کی نظریاتی فوجوں میں انتشار پسپائی مایوسی شک بے چینی الزام تراشی ایک دوسرے پر بداعتمادی جیسی بیماریوں نے اپنا گھر بنا لیا۔ جب فوجیں شکست کھا جائیں تو بھاگتی فوجوں کے قدم آڑے ترچھے ہو جاتے ہیں ان کا تعاقب کرنے سے ان کے لاتعداد سپاہی مارے جا سکتے ہیں۔ ان کا پیچھا کرو اور ان کو سنبھلنے نہ دو کہیں یہ دوبارہ منظم نہ ہو جائیں۔

سوویت یونین میں شکست کے بعد سوشلسٹوں کا یہی حال ہے۔ مگر سوویت انقلاب کے ان پچھتر سالوں میں آدھی سے زیادہ دنیا میں انقلابی سوشلسٹ نظریات کے افراد اپنے نظریاتی قدموں پر کھڑے ہو چکے ہیں۔ جنہیں علم شعور اور بیداری سے تاریخ نے ان دانشوروں کو نوازا ہے وہ کسی ایٹم بم یا میزائل یا ٹینکوں کی مدد سے ان سے نہیں چھینا جا سکتا۔ مگر ان کے خیالات کو زنگ آلود کیا جا سکتا ہے۔ ٹراٹسکی کے خیالات کے ذریعے کمیونزم کی مضبوط دیواروں میں سوشل ڈیموکریٹس کے ذریعے سے دراڑیں ڈالی جا سکتی ہیں۔ کمیونسٹوں کا نظریاتی ہیڈ کوارٹر بھی یورپ اور امریکہ کے سامراجی ممالک میں ہونا چاہیئے۔ آج نہیں تو کل ان کمیونسٹوں کی نظریاتی بنیادوں کو اکھاڑ دیا جائے گا اور ان کے جسم میں موقع پرستی اور ذاتی مفادات قیادت کے بیوروکریٹک جراثیم چھوڑ دیئے جائیں گے تاکہ ان کا نہ جھکنے والا مصمم ارادہ ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہ رکھے۔

سوویت یونین میں اصلاح پسندوں اور سوشل ڈیموکریسی کے پر فریب نعروں نے بھی ایک اصولی موقف کو گھن کی طرح کھا لیا تھا۔ لینن اور سٹالن نے قومی اور نوآبادیاتی سوال پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرولتاریہ (کارخانے کے مزدور) کی ڈکٹیٹر شپ کے بارے میں بات کرتے ہوئے مظلوم اور پسے ہوئے ممالک میں انقلابات کی بات کی ہے اور ٹراٹسکی کی شدید مخالفت کی ہے۔ ٹراٹسکی کے شکست خوردہ مکتب فکر نے بھی آخر کار سر اٹھایا۔ ٹراٹسکی کی بھرپور مدد یورپ اور امریکہ میں بیٹھے جعلی کمیونسٹوں نے کی۔ اس مدد کا اصل مقصد کمیونزم کی متحد صفوں میں دراڑیں ڈال کر انتشار پیدا کرنے کا تھا اور اس کے پیچھے جو سوچ کار فرما تھی اس کا مطلب کمیونسٹوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا تھا۔ کمیونسٹوں کا مرکزی ہیڈ کوارٹر بھی ماسکو کی بجائے واشنگٹن بنانا تھا تاکہ وہاں سے کمیونسٹ مکتب فکر کو بھی سازشوں کے جال میں لپیٹ کر فاشزم اور سامراج کا آلہ کار بنا دیا جاتا۔ بہرصورت امریکی اور یورپی سامراج کی متحدہ کاوش نے سوویت یونین کو پچھاڑ دیا اور اس کا زوال بنا۔ امریکی سامراج نے کمیونزم کے باہر اور کمیونزم کے اندر بھی ایک لڑائی جاری رکھی۔ کمیونزم کے اندر ٹراٹسکی کے مکتب فکر نے بھی دراڑیں ڈالی اور شگاف چوڑا ہو گیا جس کی پشت پناہی مغربی ممالک کرتے رہے۔

ٹراٹسکی کے نزدیک سوویت یونین میں انقلاب کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹراٹسکی کے نزدیک سوویت یونین یا ان جیسے ممالک کا انقلاب پہلے سامراجی ممالک میں پرولتاریہ انقلاب پر انحصار رکھتا ہے۔ لینن نے اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ سوویت یونین میں انقلابات کے ماحصل کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ ایک اعلیٰ سماجی و معاشی نظام سوویت یونین میں ایک مثالی کردار ادا کر سکے۔ لینن اور سٹالن جیسے قائدین کی رہنمائی میں ایسا ہی ہوا اور سوویت یونین کی ہر میدان میں اتنی سرعت کے ساتھ ترقی نے ساری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔ لینن کی موت کے بعد سٹالن نے ٹراٹسکی کے انقلاب دشمن خیالات کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ ٹراٹسکی کی شکست خوردہ ذہنیت جنگ سے پہلے ہی ہتھیار پھینک دینے کی وکالت کرتی تھی۔ اس زہریلی سیاست کے خلاف سٹالن آہنی دیوار ثابت ہوا۔ ٹراٹسکی کا یہ کہنا تھا کہ سوویت یونین میں کمزور پیداواری قوتیں اور بہت زیادہ بکھری ہوئی کسان قوت اور سوویت یونین کی باقی ماندہ دنیا سے قدرتی علیحدگی اور تنہائی یہ سب باتیں سوشلزم کی تعمیر کو ناممکن بنا دیتی ہیں۔ ٹراٹسکی کا اطاعت پسندانہ نظریہ انقلابی روح اور عمل

کے منافی تھا۔ اسی جنگ کو لینن اور سٹالن نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے جیت لیا۔ ٹراٹسکی کے اس غلط نظریے کی آنے والی تاریخ نے بھی تردید کر دی۔ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ورکرز مزدوروں اور کسانوں نے ایک انقلابی جنگ کو اس طرح شروع کیا کہ صدیوں پرانا جڑیں پھیلائے تناور ظلم اور استحصال کا درخت جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

جب ٹراٹسکی نے یہ بات کہی کہ کمیونزم کسی ایک ملک میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک یہ بین الاقوامی سطح پر رائج نہ ہو اس کی کامیابی ممکن نہیں۔ ٹراٹسکی کی یہ منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ کمیونزم کسی جن اور بھوت پریت کا نام نہیں جو بین الاقوامی سطح پر یکدم وارد ہو جائے۔ مختلف اقوام کی مختلف تاریخ تہذیب و تمدن شعوری سائنسی اور علمی سطح مختلف ہے۔ مختلف اقوام میں موجود طبقات کے مابین تضادات مختلف ہیں۔ مختلف جیو پولیٹکل حالات ہیں۔ ایک قوم میں کمیونزم کے لئے حالات پک چکے ہیں۔ نشوونما پا چکے ہیں۔ دوسری قوم میں ابھی کچھ وقت درکار ہے۔ لہٰذا ٹراٹسکی کی یہ بات انتہائی طور پر ناقابل عمل اور تصوراتی تھی۔ اگر کسی کمرہ کی صفائی کرنا مقصود ہو تو یہ ایک کونے سے شروع ہو گی۔ آگ چنگاری کی صورت نکلے گی پھر آگ کا الاؤ بنے گی۔ پھر لینن اور سٹالن نے ہمیشہ بین الاقوامیت کی بات کی ہے اور ساری دنیا کے ممالک کی بے پناہ مدد کی ہے کہ وہ اپنے اپنے ملکوں میں کمیونزم کے لئے جدوجہد کریں۔ مفت لٹریچر مہیا کیا سٹالن نے چین کے انقلاب میں بھی چینی لیڈروں کی مدد کی ورنہ چین میں انقلاب کامیاب نہ ہو سکتا۔

ٹراٹسکی کے پیروکار انتہائی طور پر کم علمی کا ثبوت دیتے ہیں جب وہ کمیونزم کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس کو غلط نام دیتے ہیں۔ اپنے مخالفین کو وہ سٹالنسٹ کہتے ہیں حالانکہ سٹالن اور ٹراٹسکی کا اختلاف بنیادی نہ تھا۔ اصل اختلاف لینن اور ٹراٹسکی کا تھا۔ اس میں آپ کا جمہوری حق ہے کہ آپ لینن کو تسلیم کریں یا ٹراٹسکی کو۔ ٹراٹسکی کے ماننے والے لینن کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور ٹراٹسکی کو بھی جو کہ ان کے اندر موجود واضح تضاد کی دلیل ہے۔ جہاں تک سٹالن کا تعلق ہے وہ لینن کا پیروکار تھا اور اس نے انہی پالیسیوں کو اپنایا جس پر کہ لینن گامزن تھا۔ یہ بات بڑے وسوخ سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر لینن کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سٹالن جیسا دانشور اور لیڈر قیادت میں نہ آتا تو کمیونزم لینن کی موت کے وقت ہی دم توڑ دیتا۔ جہاں تک سٹالن کے ظلم کی داستانیں ہیں وہ کوئی معنی نہیں رکھتی اس لئے کہ انقلاب خونریز سیاست کا دوسرا نام تھا اور جنگ کے دوران رحم نرم دلی لغویات کا دوسرا نام ہے اور جبکہ ایسا انقلاب جو کہ خاص طور پر زار روس کے ظلم کے خلاف رد عمل کی صورت پیدا ہو۔ اس انقلاب میں لینن ٹراٹسکی اور سٹالن سب کے سب انقلابی جنگ کے نتیجہ میں ہونے والی خونریزی میں برابر کے شریک تھے۔

ٹراٹسکی کے ماننے والے کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں کمیونزم ناکام نہیں ہوا بلکہ سٹالنزم ناکام ہوا ہے۔ ان کی یہ بات بھی انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کمیونزم کی زندگی بہت چھوٹی تھی اور کمیونزم لینن کی موت پر ہی مرگیا اور سٹالن کے دور میں کمیونزم نہیں تھا۔ اس نظریہ کے مطابق کمیونزم پچھتر سال کی بجائے صرف دو چار سال ہی چلا ہے ان کا یہ نظریہ بھی کمیونزم کے فلسفہ پر سیاہی پھیر دیتا ہے کہ بنیادی طور پر ہی یہ ناقابل عمل فلسفہ ہے۔ سٹالن کے دور میں سوویت یونین کی ترقی کمیونزم کی ترقی نہ تھی بلکہ فاشزم نے یہ ترقی کی ہے۔ حالانکہ کمیونزم کی سب سے زیادہ ترقی و تعمیر سٹالن کے ہی دور میں ہوئی اور اسی دور میں یہ سپر پاور بنا۔ اس کے علاوہ ٹراٹسکی کو کوئی ایسا موقع نہ ملا کہ وہ حکومت کے معاملات چلا کر ایک نمونہ پیش کرتا جس کا کہ سٹالن سے موازنہ کیا جاتا۔ ٹراٹسکی کے ماننے والے تصور کی دنیا میں ٹراٹسکی کو ہیرو بنا رہے ہیں جبکہ سٹالن نے عمل کی دنیا میں جرمن نازیوں کو شکست دی اور کمیونسٹ دنیا کو اتنا طاقتور بنا دیا کہ وہ سامراج کا مقابلہ کرے۔ ٹراٹسکی کا فلسفہ صرف اور صرف کمیونزم کی مرکزیت کو کمزور کرنے کا فلسفہ ہے۔

سٹالن کے بعد عظیم چینی رہنما ماؤزے تنگ نے یہ جھنڈا گرنے نہ دیا اور خروشیف کی غلط پالیسیوں کے خلاف ماؤزے تنگ لڑتے رہے۔ خروشیف نے امریکہ کے ساتھ معاہدات اور صلح جوئی کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا۔ اس طرح وہ ایک اصولی موقف سے ہٹ گئے اور کمیونزم کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ امریکیوں کی وہ سازش جو وہ ٹراٹسکی کے ذریعے پوری کرنا چاہتے تھے وہ خروشیف کے زمانے میں انجام کو پہنچی۔ خروشیف نے

سٹالن کی مضبوط نظریاتی بنیادوں میں دراڑیں ڈال دیں۔ سٹالن سے بھی کچھ نظریاتی غلطیاں سرزد ہو گئی تھی جس کی وجہ سے خروشیف کے خیالات کو تقویت مل سکی اور انہوں نے اپنی جڑ پکڑ لی۔ سٹالن DIALECTICS جدلیات (تضادات کے ٹکراؤ سے پیدا شدہ نشوونماء اور تبدیلی) کو پوری طرح موزونیت کے ساتھ استعمال نہ کر سکا اور سوشلزم کے آنے کے بعد وہ طبقات کی فطرت کو بھول گیا کہ سوشلزم آنے کے بعد بھی سرمایہ داری نظام کا خطرہ موجود ہے۔ کیونکہ سرمایہ داری نظام کا ہیڈ کوارٹر امریکہ بہت طاقتور ہے جو کہ دوبارہ اس نظام کی بحالی کے لئے فطری طور پر کوشاں ہے اور اس طرح سرمایہ داری نظام کی بحالی ممکن ہے۔ پرانے استحصالی طبقات کے خلاف سخت جنگ لڑتے ہوئے سٹالن اس بات کو نہ سمجھ سکا اور اس نے اس بات سے انکار کیا کہ سوشلسٹ نظام کے اندر ایک نیا بورژوا طبقہ پیدا ہو گا اور کمیونسٹ حکمران بھی قدامت پسندی اور ترمیم پسندی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ تاہم سوویت یونین میں صنعت اور زراعت کو سوشلسٹ ملکیت میں لے لیا گیا ہے۔ اس بنیاد پر سٹالن کا یہ غلط دعویٰ تھا کہ سوویت یونین میں مخالفانہ طبقاتی تضاد ختم کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اس جدلیات (تضادات کے ٹکراؤ سے نشوونماء) پر عمل نہ ہو سکا کیونکہ ان کے نزدیک پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں کے درمیان سوشلزم نے تضاد کو ختم کر دیا تھا۔ سوشلسٹ ملکیت کے نظام میں اوپری ڈھانچے میں انقلاب کی ضرورت کو نظر انداز کیا گیا اور اس سے مکمل غفلت برتی گئی۔ پیداواری رشتوں پر یہ بات اثر انداز ہوئی۔ جلد کی گہرائیوں میں اس کی نچلی سطح پر جراثیموں کے کچھ انڈے بچے باقی رہ گئے۔ جنہوں نے دوبارہ حالات کے سازگار ہونے پر غلبہ حاصل کر لیا اور بیماری کا شدید حملہ پھر ہوا۔ سٹالن نے لوگوں اور پرولتاری کے درمیان موجود تضادات، محنت کش طبقات کے اندر موجود تضادات کا بھی گہرائی سے مطالعہ نہ کیا اور بعد میں ان تضادات کے حل کرنے کا عوامی طریقہ نہ اپنایا گیا۔ بلکہ بیوروکریسی کے طریق پر ان تضادات کو دبا دیا گیا جس نے کہ مہلک اثرات اور نتائج برآمد کئے۔

لینن کے بعد سٹالن نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کی قیادت میں بے پناہ اہم کردار ادا کیا جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے دنیا بھر میں انقلابات کی نشوونماء اور رہنمائی کی اور بہت سی نئی کمیونسٹ پارٹیوں کو مستحکم کیا۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانوی امریکی سامراج کی یہ خواہش تھی کہ جرمنی سامراج اور کمیونسٹ سوویت یونین ایک دوسرے کی بربادی کا باعث بنیں اور پھر اس طرح نمبر دو سامراج دنیا پر حاوی ہو جائے۔ سٹالن نے نہ صرف جرمنی سامراج کو شکست دی بلکہ امریکی سامراج کے مد مقابل ایک ایسا کمیونسٹ نظام دیا جو کہ ساری دنیا میں عدل و انصاف اور توازن کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ تمام دنیا کی مظلوم اقوام کا رہبر سوویت یونین بنا۔ لینن اور سٹالن کے دور میں سامراج میزائل کے مقابلے میں کمیونسٹ میزائل تیار ہوا۔ امریکی ایٹم بم کا مقابلہ ایٹم بم سے کیا گیا۔ ٹینک کے ساتھ ٹینک جوڑ دیا گیا۔ سٹالن کے زمانہ میں سوویت صنعت نے بے پناہ ترقی کی۔ سوویت یونین کی بے پناہ اور انتھک کاوش اور محنت کا نتیجہ تھا کہ سامراجی استحصالی قوتوں کو لگام دی گئی۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ سامراجی قوتیں عوامی انقلابی منظم قوتوں کے سامنے خم کھاتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ دنیا کو پہلی بار غلامی سے نجات دلائی گئی۔

سٹالن کی بیٹی نے اپنی کتاب میں اپنے باپ کی ذاتی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ سٹالن کے پاس ایک ہی کوٹ تھا جو کہ میں نے ساری زندگی اس کو وہی پہنتے دیکھا۔ سٹالن کی تنخواہ ساری ہی بچ جاتی اور اس کی انتہائی سادہ گذراوقات تھی۔ سٹالن کی موت کے بعد ترمیم پسند اور قدامت پسند خروشیف کی قیادت میں اکٹھے ہو گئے جنہوں نے تمام زاویوں سے مارکسزم اور لینن ازم پر حملے شروع کر دیئے اور سرمایہ داری کا نظام اپنے ملک میں بحال کر دیا۔ ترمیم پسندوں نے کینسر کی صورت بہت سی انقلابی پارٹیوں کو نگل لیا اور کمیونسٹ سانس گھٹ کر مرنا شروع ہو گئے۔ مضبوط انقلابی صفوں کو نظریاتی طور پر زنگ آلود کر دیا گیا۔ ان کی بڑی بڑی عوامی تنظیموں کو غیر مسلح کیا گیا۔ بیوروکریسی ہر طرف چھا گئی۔ سیاسی اور نظریاتی راہ عمل مبہم سی نظر آنے لگی۔ اس طرح عوام کمیونسٹوں کی قیادت سے محروم ہوتے چلے گئے۔ آج کا جلتا ہوا روس ترمیم پسندوں اور قدامت پسندوں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ کسی بھی جسم، چیز، فرد، سماج یا معاشرے میں تبدیلی کے لئے یہ بات اشد ضروری

ہے کہ اس شے کے اندرونی تضادات کی نوعیت اور اس کے بنیادی ڈھانچے کی فطرت میں اس تبدیلی کے لئے وہ حالات موجود ہوں۔ اس جسم کی فطرت ہی وہ بنیاد فراہم کرتی ہے جس سے کہ یہ تبدیلی ممکن ہو سکے۔ لیکن کسی بھی تبدیلی یا انقلاب کے لئے صرف یہ ایک پہلو ہی کافی نہیں ہے اگرچہ یہ بنیادی اور ضروری ہے۔ ان اندرونی کیفیات اور حالات کا بیرونی ماحول یا فضا سے ایک ربط کا ہونا ضروری ہے۔ اندرونی فطرت اور بیرونی حالات واقعات کے ربط کے بعد ہی تبدیلی ممکن ہو سکتی ہے۔ ماؤزے تنگ نے تضادات کے بارے میں اس بات کی تشریح کی ہے اور انہوں نے ایک انڈے کی مثال دی ہے کہ انڈے کی فطرت اور اس کے اندر موجود تضادات اور امتزاج اس نوعیت کے ہیں کہ وہ ایک چوزے کو جنم دے سکے لیکن اگر اس انڈے کو ایک خاص درجہ حرارت میں ایک وقت تک نہ رکھا جائے تو اس انڈے میں سے چوزہ پیدا نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا ایک انڈا خاص درجہ حرارت پر چوزے میں تبدیل ہو سکتا ہے مگر دنیا کا کوئی بھی درجہ حرارت ایک پتھر کو چوزے میں تبدیل نہیں کر سکتا کیونکہ پتھر کی فطرت اور اس کے اندر موجود تضادات کی کیفیت اس بات کی حامل نہیں ہے۔

اسی طرح سماج کے اندر موجود تضادات اور ان کی فطرت ہی کسی تبدیلی کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ لیکن اس تبدیلی کا ربط بیرونی ماحول سے ہونا بھی ایک ضروری امر ہے۔ سوویت یونین کے اندر پولٹ بیورو کے چند قائدین جو درحقیقت فاشسٹ تھے انہوں نے قیادت تک رسائی حاصل کر لی۔ بیرونی طاقتور سامراج کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہوا۔ جب فاشسٹ حکمرانوں نے قیادت سنبھالی تو وہ بظاہر کمیونسٹ ہی بنے رہے۔ انہوں نے فاشسٹ پالیسیوں کا اعلان نہیں کیا بلکہ کمیونسٹ بن کر ہی کمیونزم کی شکل اور عمل کو بگاڑ دیا۔ اس مہیب سازش کے ذریعے سوویت عوام کے نزدیک کمیونزم کے وہ معنی ان کو عمل میں دکھائی نہ دیئے جس کمیونزم پر کہ لینن اور سٹالن نے کام کر کے سوویت یونین کو دنیا کی عظیم سپر پاور بنا دیا تھا اور جو کہ تمام مظلوم انسانیت کی راہ نجات تھا۔ یہ فاشسٹ لیڈر بڑے بڑے محلات میں رہنے لگے نوکر چاکر اور غلام ان کے ارد گرد ہوتے، تمام دولت اور آسائشیں ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قدموں پر نچھاور تھیں۔ حکومت کے پیسے سے حکومت کے نام پر ہی عیاشی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ کمیونزم کے نام پر سامراجی ڈکٹیٹر تھے۔ سب سے پہلے ان بھیانک لوگوں نے سوویت یونین کی سیاسی رگوں میں چلتے ہوئے خون کی طرح اہم تنظیم کے جی بی پر قبضہ کر لیا۔ کے جی بی کے بڑے بڑے عہدے آپس میں بانٹ لئے اور اب یہ تنظیم سامراجیت کے رنگ ذاتی مفاد پرستی اور تعیش کے لئے کام کرنے لگی۔ کے جی بی کی بالادست اعلیٰ سطح کی تنظیم کے قابو کے بعد فوج کے جرنیل بھی رشوت اور اقرباء پروری سے اپنے دست نگر بنا لئے گئے۔ بے پناہ طاقتور کمیونسٹ نظام کو بڑی سازش سمجھ اور احتیاط کے ساتھ ختم کیا گیا۔ کیونکہ کمیونزم کی جڑیں لینن نے عوامی اسمبلیوں کے جال کے ذریعے عوام تک پہنچا دیں تھیں۔ اتنی طاقتور کمیونسٹ تنظیم و تحریک کو ختم کرنے یا اس کی سمت بدلنے کے لئے ایک لمبے عرصے کے لئے سامراجی حکمت عملی پر عمل کرنا ضروری تھا۔ سوویت یونین کی عوامی تنظیموں کے چھوٹے رہبروں اور لوگوں کے دانشوروں کی گمراہی کے لئے اور ان کو مفاد پرست اور ذات پرست بنانے کے لئے انہیں کرپشن میں ملوث کرنے کے لئے بیرونی سامراجی امداد، سرمایہ اور ہتھیار فراہم کئے گئے۔ اب کے جی بی ایک خوف و ہراس کا نشان بن گئی۔ جو تنظیم لینن کے دور میں عوام کے لئے کام کرتی تھی اب وہ سامراج کے لئے کام کرنے لگی اب ان کی پالیسی امریکہ سے دوستی صلح اور امن تھی۔ سوویت عوام کے جی بی کے ظلم سے خائف ہو گئے۔ راتوں رات آدمی غائب کر لیا جاتا اور اس کا کسی کو پتہ بھی نہ چلتا۔ اب یہ سراغ رساں خفیہ ادارہ انقلاب دشمن ہے۔ عوام کو منظم ہونے سے روکتا ہے۔ لوگوں میں کسی قسم کے سیاسی رابطہ یا سوچ کو پیدا ہونے کی آزادی نہیں دیتا ہے۔ اس طرح انقلاب کے منہ کو کے جی بی کے رسے کے ذریعے سے باندھ دیا گیا۔ کے جی بی نے دو اور اداروں کی سرپرستی کی۔ حکومتی ادارہ چلانے والے افسر یعنی کہ طاقتور بیوروکریسی جس میں پولیس بھی شامل ہے یہ ادارہ حد سے زیادہ بدکردار اور راشی ہے۔ دوسرا ادارہ مافیا بنا دیا گیا۔ یہ مافیا طاقتور غنڈے اور بدمعاش عناصر پر مشتمل ہے۔ راتوں کو لوٹنے والے ڈاکو قتل کرنے والے ان لوگوں کا ایک جال بچھ گیا۔ سوویت یونین کے عوام کا یہ کہنا ہے کہ

ہماری مافیا امریکی مافیا سے زیادہ خطرناک اور بے رحم ہے۔ بہرصورت روسی مافیا اور امریکی مافیا نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور بین الاقوامی لوٹ مار کا ایک مشترکہ پروگرام بن گیا۔

امریکہ سے ہماری کیا جنگ، تیسری دنیا اور غریبوں کو لوٹ لیتے ہیں شکار آدھا آدھا۔ شکار کے گوشت کا بٹوارہ ہی سچا اتحاد اور انصاف ہے۔ کے جی بی کے اعلیٰ افسر جب سیر کو نکلتے تو کسی بھی خوبصورت لڑکی کو دیکھتے تو کہتے یہ لڑکی ہمارے سونے والے کمرے میں ہونی چاہیئے۔ ان افسروں کی فرعونیت اور عیاشی نے سرمایہ دارانہ حکومتوں کو مات کر دکھایا۔ امریکہ کی سی آئی اے اور سوویت کے جی بی دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور نظام کمیونزم کو کچلنے کے لئے میدان میں اتری۔

نام نہاد کمیونسٹ جو کہ درحقیقت فاشسٹ تھے جب شروع میں انہوں نے عنان حکومت سنبھالی تو انہوں نے سوچا کہ!

کمیونزم کے بے پناہ طاقتور فلسفے اور اتنی طاقت ور تنظیم کو جو کہ انقلابی اور نظریاتی لحاظ سے مسلح ہے کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔

ہاں کارل مارکس کا کلہاڑا اسی کے سر دے مارو

1917ء کا کمیونسٹ انقلاب درحقیقت ایک معاشی انقلاب تھا۔ معاشیات ہی وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے کہ کوئی تبدیلی ممکن ہو سکتی ہے۔

سوویت روس کی مستحکم معیشت کی جڑیں کاٹ دو تو نظریاتی اور تصوراتی تبدیلی ممکن ہے۔ یہی تھا کارل مارکس کا نظریہ اقتصادیات سوویت روس کے اندر مفاد پرست طبقات کی سازش شروع ہو گئی۔ امریکہ نے ان کو بھاری رقوم فراہم کیں۔ حتیٰ کہ گورباچوف اور یلسن پر یہ الزام عاید ہے کہ یہ امریکن سی آئی اے کے ایجنٹ ہیں۔ فاشزم عمل میں آیا اس کا نام کمیونزم رکھا گیا۔ جب لوگوں کے سامنے یہ مکروہ کمیونزم عمل میں آیا تو لوگ ایسے کمیونزم سے نفرت کرنے لگے۔ روس کے ان جابر حکمرانوں نے سب سے پہلا وار سوشلزم کے اس بنیادی اقتصادی اصول پر کیا جسے کہ ہم "محنت کے برابر اجر" کا نام دیتے ہیں۔

روسی طاغوت نے (فاشزم) نے شعبہ معاشیات کے ذریعے ایک عدم توازن پیدا کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا۔ سرمایہ داری نظام میں ایک سرمایہ دار اگر 10 مزدور اپنے کارخانے میں رکھتا ہے تو یہ 10 مزدور روزانہ سو روپے کا کام کرتے ہیں تو سرمایہ دار مزدوروں کے کمائے ہوئے سو روپے میں سے نوے روپے خود ہضم کر جاتا ہے اور باقی دس روپے دس مزدوروں کو اجرت دے دیتا ہے۔ اسی کو ہم استحصال کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے مزدور بے پناہ مصائب کا شکار ہو جاتا ہے اور نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ معاشرے میں جرائم بیماری بے روزگاری جہالت کی یہی وجہ ہے۔ مگر سوشلزم میں مزدور اپنی محنت کا مالک آپ ہوتا ہے اور اسے محنت کے برابر اجر ملتا ہے اور وہ صنعتی تعمیر اور ترقی میں شراکت دار ہوتا ہے۔ اس بنیادی سوشلسٹ اصول کے ساتھ روسی فاشسٹوں نے دھوکہ کیا سوویت روس میں کمیونزم کے نام پر ہی وہاں کے فاشسٹ حکمرانوں نے مزدوروں کی محنت کا استحصال شروع کر دیا۔ سوویت روس کو قلعہ بند کر لیا گیا تاکہ بیرونی دنیا سے اس کا نظریاتی تعلق منقطع ہو جائے۔ مزدور کو پھر یہاں اجرت بہت ہی کم دی گئی۔ مزدور کو اتنا کم معاوضہ دیا گیا کہ اس کا معیار زندگی بہت ہی پست ہو گیا۔ یہاں سٹیٹ کیپٹل ازم رائج کر دیا گیا۔ محنت کا معاوضہ نہ ملنے کی وجہ سے سیاسی انحطاط کام میں عدم دلچسپی اور نفسیاتی طور پر انتقام نے جنم لیا۔

یہ کمیونزم ہے ایسے کمیونزم سے ہم نفرت کرتے ہیں۔ سوویت روسی طاغوت فاشزم نے دوسری معاشی تبدیلی کچھ اس طرح کی کہ روس میں اگر ایک پروفیسر یا سائینسدان کی تنخواہ 160 روپے ماہانہ ہے تو دودھ کے ایک ڈبہ کی قیمت 10 روپے ہے۔ پرائیویٹ بس 2 روپے جانے اور 2 روپے آنے کا ٹکٹ لیتی ہے۔ مارکیٹ میں اشیاء کی قیمتیں اتنی بڑھا دی گئیں کہ سارا مہینہ محنت کرنے والا انسان اس تنخواہ میں ایک ہفتہ بھی گذارا نہ کر سکے۔ جن کے بیوی بچے ہوں ان کا حال بہت ابتر ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتحال نے بغاوت کو جنم دیا۔ مگر کے جی بی اور مافیا اور فوج سب کے سب مسلح بغاوت ممکن نہیں۔ نہیں نہیں بغاوت ممکن ہے۔ محنت صداقت دیانت کے خلاف بغاوت ان سب کو خیر باد کہہ دو۔ عورت اپنا جسم بیچنے لگ گئی، اجرت ایک گھنٹہ 300 روپے گورنمنٹ کی بس ایک گھنٹے میں ایک آتی ہے تو پرائیویٹ بسیں 10 گذر جاتی ہیں۔ ماہر معاشیات بہت بڑے مجرم ہیں۔

حکومت نے ہر شعبہ میں محنت کی حوصلہ شکنی کی اور اپنے عزیز و اقارب کو وسیع پیمانے پر لوٹ مار رشوت ستانی اور کاروبار کے مواقع فراہم کئے اس سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ آئی۔ غلاظت کے ڈھیروں سے بھی لوگ خوراک تلاش کرنے لگے۔ سوویت روسی عوام کا کہنا ہے کہ وہ کے جی بی سے بہت خائف ہیں کیونکہ ان کے ہاں جنگل کا قانون ہے۔ دلیل اور منطق یا بحث ان کے غصے میں اضافہ کر دیتی ہے۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ روسی مافیا ان پر راج کر رہی ہے۔ میں نے روس میں مختلف پروفیسرز اور سائینسدانوں سے انٹرویوز لئے جو کہ سائنس اور اپنی دیانتدارانہ زندگی کو گالی دیتے ہیں اور وہ موجودہ کمیونسٹوں سے بھی نفرت کر رہے ہیں۔ اگر یہی کمیونزم ہے تو پھر فاشزم کیا ہے؟ ایسی صورتحال کے بعد ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ برباد روس جہاں کوئی نظام موجود نہیں ہے اب کس کروٹ بیٹھے گا۔ یہ ایک عارضی صورتحال ہے۔ طوفان تھم جانے کے بعد انتشار کے بعد سکون کی صورت روس کون سا نظام رائج کرنے کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اب روس کے لوگوں کے پاس کوئی ایسا نظام موجود نہیں ہے جو کہ نعم البدل کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ سرمایہ داری نظام صرف امریکہ اینڈ کمپنی کے ہی موافق ہے کیونکہ اس نظام کی پرورش کے لئے وسیع شکار گاہوں کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ امریکہ کو میسر ہیں اور روس کو یہ شکار گاہیں میسر نہیں۔ روس اگر سرمایہ دارانہ نظام کو اپناتا ہے تو اس استحصال کا شکار اس کے اپنے لوگ ہی ہوں گے۔ ایسی صورتحال مزید بغاوت کو جنم دے گی۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹیوں کا یہ کہنا ہے کہ اب روس میں کمیونزم بہت زیادہ طاقت کے ساتھ ایک بار پھر اٹھے گا جو کہ ساری دنیا کے مظلوموں کی بیداری اور نجات کا باعث بنے گا۔ کیونکہ لوگ موجودہ تباہ کاریوں سے تنگ آ چکے ہیں اور پرانے سوویت یونین کو یاد کرتے ہیں لینن کے سوویت روس کو یاد کرتے ہیں۔ جس فلسفہ نے ان کو دنیا کی سب سے بڑی عوامی نجات دہندہ طاقت بنا دیا تھا۔ اس فلسفہ کو چھوڑنے پر ان کو کیسی تباہی اور بربادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان کمیونسٹ سیاسی پارٹیوں کے نزدیک کمیونزم کو ایک وقتی زوال آیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اب روس کے اندر بیٹھے فاشسٹوں نے وہاں کمیونزم کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور ایک وقتی فتح بھی حاصل کرلی ہے۔ کسی معرکہ یا جنگ میں فتح یا شکست کا پہلو نیکی بدی سچ یا جھوٹ کا تعین نہیں کرتا۔ ان کا یہ کہنا ہے اس شکست سے کمیونزم کے بنیادی فلسفہ کو کسی قسم کا کوئی دھچکا نہیں لگا ہے۔ بلکہ لوگوں کو دنیا کو اس واقع کا فائدہ ہوا ہے۔ اب دنیا بھر کے عوام سامراجی اور ان کے حواریوں کے کردار کو زیادہ وضاحت سے دیکھ رہے ہیں۔ لوٹ کھسوٹ کے اس نظام نے دنیا کو تباہی و بربادی و ناانصافی دی ہے۔ دنیا بے پناہ مصائب اور مشکلات کا شکار ہو گئی ہے۔ کمیونزم یا دنیا کے کسی بھی اور نظام کو ختم کرنے کے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ اس نظام کے فلسفہ کو عقل دلیل منطق اور سائنس کی بساط پر شکست فاش دی جائے۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کہ تمام دنیا کے ڈاکو مل کر ساری دنیا کو فتح کر سکتے ہیں ان کی طاقت سے کوئی منکر نہیں، انکار نہیں مگر کسی بھی دلیل سے وہ ڈاکہ زنی کو جائز قرار نہیں دے سکتے۔

نظام اور نظریات انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے نہیں مرتے۔ کسی بھی نظریہ کو ختم کرنے کے لئے یا کسی بھی نظام کو مارنے کے لئے اس سے بہتر نظام پیش کرنا پڑے گا جو کہ مصائب اور مسائل کے حل کے حوالے سے اس سے بہتر ثابت ہو سکے۔ ایک نعم البدل نظام کے بغیر پرانے نظام کا خاتمہ ناممکن ہے۔ نئے نظام کی کامیابی کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ بدلتے تقاضوں ارتقاء تبدیلی نشوونماء مقابلہ کے امتحان ان سب معیاروں کو پورا کرتے ہوئے پوری انسانیت کا نمائندہ نظام ہو جو کہ کسی ایک گروہ یا قبیلہ یا جتھہ کے مفادات کا نمائندہ نہ ہو بلکہ پوری انسانیت اس کی آغوش میں پناہ لے کر سکون کا سانس لے سکے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ دنیا کے مختلف اچھے نظاموں پر وقتی زوال آتے رہے۔ لیکن ان واقعات کی حقیقت ساحل سمندر کی ریت پر بنے نقش و نگار سے زیادہ نہیں ہوتی جو کہ بڑی حقیقت سمندر کی ہر لہر اس کو آنے والے وقت میں مٹا دیتی ہے۔ اگر چند انسان یا انسانوں کے گروہ یا پھر تصور کر لیجئے کہ انسان بحیثیت مجموعی کمیونزم کو مسترد بھی کر دے تو اس میں بھی کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ سائنس دانوں، فلسفیوں نے جب

اس دنیا کو صداقت کی روشنی دی سائنس کے قوانین بتلائے تو لوگوں کے بڑے بڑے گروہوں نے انہیں سنگسار کیا سولی دی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ صدیاں لگیں کہ انسان نے چلنا سیکھا۔ ماضی میں یہ فطرت کی قوتوں کے سامنے سر جھکا کر چار پاؤں پر چلتا تھا۔ پہلی مرتبہ یہ کائنات کے سامنے دو پاؤں پر سیدھا سینہ تان کے کھڑا ہو گیا۔ یہ کائنات اور فطرت کو ایک چیلنج تھا۔ پھر بہت سی صدیاں اور گذر گئیں تو اس نے بولنا سیکھا۔ وقت کی منجدھار اور کام کرنے کی خواہش بیرونی سازگار حالات ان سب کے ربط سے ہاتھ کی پانچ انگلیاں اور منفرد دماغ نے نشوونماء پائی۔ زبان باہمی ربط کا ذریعہ بنی۔ اس ہاتھ زبان اور دماغ کے ربط نے اس کو دوسرے برادر جانوروں سے منفرد تسخیر کائنات کے لئے مسلح کر دیا۔ پھر بھی اکیلا انسان جانور ہی تھا۔ زبان کی وجہ سے سماج بنا سماجی رشتے قائم ہوئے۔ انسانوں کی اجتماعی قوت نے اپنے تجربات اور علم کا ذخیرہ آنے والی نسلوں کو دینا شروع کر دیا۔ یہ تجربات اور علوم جمع ہو کر خزانہ بن گئے جس سے کہ پہلی نسلیں محروم تھیں اور آنے والے دور کے انسانوں کو بغیر محنت کے یہ صدیوں پرانا جمع شدہ خزانہ ورثے میں ملتا ہے جو کہ تسخیر کائنات کو اور آسان بنا دیتا ہے۔ انسان کی اس اجتماعی قوت نے جو کہ صرف سماج اور تاریخ کی پیداوار ہے قوانین فطرت کو اپنے تابع کر لیا۔

یہ آگ یہ ہوا یہ پانی یہ بجلی یہ سمندر سب کے سب انسان کے غلام بن گئے۔ اگر کسی بھی ایک انسان کو سماج سے الگ کر دیا جائے تو وہ کسی طرح بھی جنگل میں رہنے والے جانور سے زیادہ مقام نہیں رکھتا اور پھر اگر کسی سماج کو اس کی تاریخ سے الگ کر دیا جائے تو ایسے سماج کا تصور بھی ممکن نہیں۔ جب تاریخ ہی نے یہ سماج دیا۔ سماج ہی نے انسان کو زبان فہم ادراک منطق تعلیم دولت کا شرف بخشا کہ سب ایک ربط اور تعاون کا نتیجہ ہیں۔ تو پھر اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان کا دوسرے انسان پر ایک حق ہے اور پھر فرض بھی۔ جہاں اتنی صدیوں کے بعد انسان جانوروں سے بہتر ہوا وہاں یہ سمجھنے کے لئے انسان کا انسان پر کیا حق ہے اور انسانی تہذیب کا ارتقاء اور نشوونماء کا انحصار ان حقوق و فرائض پر کیا ہے اس نظریہ کو عملی طور پر سمجھنے کے لئے شاید ابھی کچھ اور وقت درکار ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا باب

اونچ نیچ ایک تضاد

استحصالی طبقات کے فلسفیوں نے دنیا اور اس کے عوامل کی تشریح حقیقت پر بنیاد رکھتے خیالات سے کی ہے۔ انہوں نے اس بات کی سچی عکاسی کی ہے کہ دنیا ایک جنگ ہے اور اس میں ہر طاقت ور کمزور کو کھا جاتا ہے۔ شیر جنگل میں، شارک سمندر میں، مگرمچھ دلدل میں اور عقاب ہوا میں باقی جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ یہ ایک فطرت ہے۔ اس سے انکار بھی ممکن نہیں کیونکہ صرف میری نیک تمنائیں یا رحم دنیا کی سچی عکاسی نہیں کر سکتی۔ یہ سب کائنات کے نمائندہ ہیں اور اس کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ روشنی کی شعاعیں کروڑوں اربوں بیکٹیریا کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ ان گنت جراثیم زندگی اور موت کی کشمکش میں سرگرداں ہیں۔ ہمارے جسم کے اندر بھی یہ جنگ جاری و ساری ہے۔ ہمارے جسم کے خلیات خون کے سرخ جسیمے ہر لحظہ موت کا شکار ہوتے ہیں۔ جسم کے اندر خون کے سفید جسیموں اور بیرونی حملہ آور جراثیموں کے درمیان ایک جنگ ہو رہی ہے۔ کائنات کے کروں سے لے کر ایٹموں تک لاتعداد دنیائیں آباد ہیں سب کی گہرائیوں اور وسعتوں میں خونریزی اور برستی موت کے پیغامات ہمیں وصول ہوتے ہیں۔ سمندروں اور زمینوں میں بھی جنگ ہے۔ آگ اور پانی بھی ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔ درختوں کے بیج ان کی شاخیں اور جڑیں بھی زندگی کو حاصل کرنے کے لئے ایک جنگ لڑ رہی ہیں۔

عظیم فلسفی ہیرقلیطس Hericlitus کا یہ کہنا ہے کہ زندگی ایک بہتے پانی کی مانند ہے۔ آپ دریا میں دو مرتبہ پاؤں ڈالیں دونوں مرتبہ پانی مختلف ہو گا۔ ہر دوسرے کی زندگی پہلے کی موت ہے اور تیسرے کی زندگی دوسرے کی موت۔ ہم ایک دوسرے کی زندگی پر پلتے

بڑھتے ہیں۔ یہ زندگی ایک حریفانہ مقابلے کا نام ہے۔ بھوک کا مطلب ہی کسی نہ کسی کی موت ہے۔

چارلس ڈارون نے بھی اس حریفانہ مقابلے کا بے انتہا خوبصورت نقشہ پیش کیا ہے۔ کائنات کے اجسام ہوں، عمل ہوں یا پھر اس میں جانور یا انسان قوانین فطرت سے کسی کو بھی آزادی حاصل نہیں ہے۔

یہ فلسفیوں کا وہ سکول ہے جن کا نقطۂ نگاہ طاقت کا بے دریغ استعمال ہے۔ رحم ایک بیوقوفانہ عمل ہے۔ جرمن فلاسفر نتشے (NIETZSCHE) اس مکتبۂ فکر کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔ عمل میں ہٹلر نے نتشے سے ہی روشنی حاصل کی تھی۔ جرمن نازی ازم کے بعد برطانیہ، فرانس، جاپان اور امریکہ دنیا کو اسی رنگ میں دیکھتے ہیں۔ یہ سب مل کر یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز دوسری چیز کا استحصال کر رہی ہے۔ جو طاقت ور ہے اسے کمزور چیز کا خون پینے کا حق ہے۔ یہی قانون فطرت ہے جس سے کہ کوئی فرار نہیں ہے۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری اسی فلسفہ پر بنیاد رکھتے ہوئے دو نظاموں کا نام ہے۔

ان فلسفیوں کے ساتھ ہی ایک دوسرا مکتبۂ فکر رکھنے والا سکول بھی پیدا ہوا۔ جنہوں نے کی نظر بوتن کے خالی حصے کو چھوڑتے ہوئی آدھے پانی سے بھرے ہوئے حصے پر جم گئی اور انہوں نے منفی سوچ کو چھوڑ کو مثبت سوچ کی بات کی۔ بھوک، ظلم، نفسانی خواہشات، آگ، جلن، دشمنی اور حسد کینہ ان فطری محرکات کو مسترد کر کے محبت، قربانی، ایثار، انصاف، یکسانیت، مساوات اور رحم ان فطری محرکات انسان دوست قدروں کی حوصلہ افزائی کی اور اس بات پر توجہ دلائی کہ نیکی کی یہ قدریں بھی فطرت کا ہی حصہ ہیں۔ ان کو آپ فطرت سے الگ نہیں کر سکتے۔

جدلیاتی مادیت (Dialectical Materialism) کے بنیادی قانون کی عکاسی اشیاء میں متضاد اور مخالف قوتوں کے امتزاج، اتحاد اور ملاپ سے ہوتی ہے جو کہ اشیاء میں تضادات کا قانون کہلاتا ہے۔ تضادات کے قوانین کائناتی بھی ہیں اور یہ کسی خاص حالات اور موقع کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔ سب سے بڑا اور بنیادی تضاد بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور پھر ہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تضاد کے اندر بھی اس کے خاص اہم اور بنیادی پہلو ہوتے ہیں۔ تضاد کے پہلوؤں کے مابین ہم آہنگی اور اختلافی جدوجہد بھی ہوتی ہے۔ تضادات کے مابین لڑائی اور اختلاف ہوتا ہے۔ علوم کی تاریخ میں کائنات کی نشوونماء کے بارے میں دو قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ ایک مابعد اطبیعات یعنی کہ Metaphysical ہے اور دوسرا جدلیاتی یعنی کہ Dialectical ہے جن کے نقطۂ نگاہ میں تصادم ہے۔ پہلے کی بنیاد تخلیق یعنی کہ Creation ہے اور دوسرا ارتقاء یعنی کہ Evolution کا نظریہ رکھتا ہے۔ تخلیق کے نظریہ کے مطابق تمام اجسام اشیاء اور جانور انسان ایک ہی موجودہ صورت میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کی صورت تبدیل نہیں ہوئی۔ ارتقاء کے فلسفہ کے مطابق جو کہ جدلیات کا فلسفہ ہے کہ اشیاء ہر وقت اندرونی اور بیرونی حالات کے زیر اثر تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور یہ موجودہ شکل میں نہ تھی۔ بلکہ ان کی شکل کچھ اور ہی تھی۔ جدلیات کے فلسفہ کے مطابق بیرونی حالات کی وجوہ کسی بھی تبدیلی کے لئے ایک شرط کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اندرونی وجوہات کسی بھی تبدیلی کی بنیاد ہیں اور بیرونی حالات کی وجوہات، اندرونی اور فطری وجوہات سے ایک تعاون اور ربط پیدا کرتی ہیں۔ جس سے کہ تبدیلی ممکن ہو جاتی ہے۔ ہر تضاد کے دو پہلو بیک وقت ایک دوسرے کے مخالف بھی ہیں اور ایک دوسرے پر انحصار بھی رکھتے ہیں اور یہ ایک دوسرے میں تبدیل بھی ہوتے رہتے ہیں۔ انسان کی سوچ کے مابین تضادات درحقیقت بیرونی سماج کے معروضی تضادات کا عکس ہوتے ہیں۔

یہ پانی ٹھنڈا ہے یا کہ یہ حرارت کی عدم موجودگی ہے۔ یہ اندھیرا ہے یا کہ یہ روشنی کی غیر حاضری ہے۔ یہ آدھی بوتل خالی ہے یا کہ یہ بوتل آدھی بھری ہوئی ہے۔ یہ گہرائی ہے یا کہ اونچائی کی عدم موجودگی۔ آپ جیت گئے ہیں یا کہ میں ہار گیا ہوں۔ سمندر میں یہ بلبلہ ہے یا کہ اتنی جگہ میں پانی کی عدم موجودگی ہے۔

اگر کائنات میں فطرت کے اندر سیاہ رنگ موجود ہے تو سفید رنگ بھی اسی کائنات اور فطرت کا حصہ ہے۔ کائنات اور فطرت کو یک رنگ دیکھنا ہماری تنگ نظری کا ثبوت ہو گا۔ دنیا کچھ اس سے اور بڑی ہے۔ فلسفیوں اور سائینسدانوں نے ہر چیز کی وجوہ تلاش کی۔ ان

کے نقطۂ نگاہ سے یہ فطرت بیرونی حالات و واقعات سے مستعار ہے۔ اگر آپ ان بیرونی حالات اور واقعات کو بدلنے میں کامیاب ہو جائیں تو انسانی سماج سے یہ سب برائیاں ختم ہو جائیں گی۔

آزادی سے مراد علم اور جہالت کے مابین ایک تفریق ہے۔ جہالت سے علم کی چھوٹی سی ارتقائی منزل کے راستے کو طے کرتے وقت ہمیں آزادی کا احساس ہوتا ہے۔ اس مکتبۂ فکر نے تضادات کے فلسفہ کو بنیاد بنایا اور Dialectics جدلیات (تضادات کے ٹکراؤ سے نشوونماء) کے عمل کو دریافت کرکے اسے انسانی مسائل حل کرنے کی ایک سائنس بنا دیا۔ ان کے نزدیک کائنات تضادات کا ایک مجموعہ ہے۔ جہاں اونچائی ہے وہاں گہرائی بھی، جہاں زندگی ہے وہاں موت بھی، جہاں روشنی ہے وہاں اندھیرا بھی، جہاں ظلم ہے وہاں رحم بھی، جہاں آگ ہے وہاں پانی بھی، جہاں جنگ ہے وہاں امن بھی، جہاں تلاطم ہے وہاں سکون بھی۔

تو ایسی صورتحال میں وہ انسان جو صدیوں کے بعد ارتقائی منازل طے کرکے جانوروں سے افضل ہوا تو پھر اس نے فطرت کی حقیقتوں کو للکارا چیلنج کیا۔ کائنات کے سامنے جھکنے کی بجائے بغاوت کی۔ اگرچہ حقیقتیں بہت تلخ ہیں۔ مگر ہمیں ان حقیقتوں کو بدل کر اس کی تلخی کو کم کرنا ہے۔ ہر شے کی وجہ اور اسباب کی دریافت نے تو یہ کام آسان کر دیا ہے۔ ہمیں ہر اس جڑ کو کاٹ دینا ہے جس پر کہ برائی اور انسانی دکھوں اور مصائب کی بنیاد رکھ کر عمارت بنائی جاتی ہے۔ اس نظام کو ختم کرنا ہے جس کے ہاتھ انسانیت کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

کارل مارکس نے کہا ہے کہ مختلف فلسفیوں نے دنیا کی تشریح مختلف طریقوں سے کی ہے۔ لیکن اصل مسئلہ اس کو تبدیل کرنے کا ہے۔ حقیقت کیا ہے یہ سمجھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ لیکن یہ ہرگز ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارا اصل مسئلہ حقیقت کو تبدیل کرنا ہے۔

ان دو قسم کے فلسفوں سے دو قسم کے نظاموں نے جنم لیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح انسانی تاریخ کی صبح ظالم اور مظلوم کی جنگ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دو قسم کے فلسفۂ حیات اور نقطۂ نظر جنم پاتے ہیں۔ صدیوں پر محیط ظلم کی داستانیں مظلوموں بے نواؤں اور غریبوں کو انقلابی جدوجہد کے لئے ابھارتی ہیں ان دو فلسفوں نے دو نظاموں کو جنم دیا۔

سرمایہ داری اور سوشلزم۔ سرمایہ داری نے جب بین الاقوامی شکل اختیار کی تو یہ سامراج کہلایا اس طرح سوشلزم کی بین الاقوامی شکل کو کمیونزم کہا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

www.KitaboSunnat.com

چوتھا باب

سامراج کی چند تاریخی جھلکیاں

سامراج کا ماضی حال اور مستقبل کیا ہے؟ سامراج نے انسانیت، خوشحالی اور ترقی کے لبادے کے پیچھے کیا کیا ہے؟ اس کی اصل شکل کیا ہے؟ یہ ہمیں پرکشش دکھائی دیتا ہے۔ لیکن جب آپ سامراج کا اصل روپ اور شکل دیکھ لیتے ہیں تو آپ اس کے تعلق سے لاپرواہی نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا تعلق کروڑوں انسانی زندگیوں سے ہے۔ ولادی میر لینن نے لکھا ہے کہ "کسی بھی سماجی تحریک، سماجی نظریہ اور عمل کو صحیح طریقے سے سمجھنے کے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ یہ سماجی نظریہ یا تحریک تاریخ میں کیسے پیدا ہوا اور اس کی نشوونما کے اہم نکات، مقامات، درجات اور حالتیں کیا کیا تھیں اور پھر ان نشوونما کے مراحل کو طے کرتا ہوا اب اس کی کیا کیفیت ہے؟"

برطانیہ دنیا کا سب سے بڑا سامراج تھا۔ فرانس بھی ایک سامراج تھا۔ نو آبادیات بنانے اور دوسرے ملکوں کو فتح کر کے غلام بنانے کا تصور فرانسیسی فلسفی SEILLIERE نے بھی دیا۔ اس نے اپنی کتاب "سامراجیت کا فلسفہ" میں اس بات کی وکالت کی ہے۔ SEILLIERE کے مطابق کسی وجود کی مساعی سرگرمی کوشش یا عمل میں پھیلنے، بڑھنے اور حکمرانی کرنے کا رجحان غالب اور نمایاں ہوتا ہے۔ عیسائی فلسفہ میں اسے غلبہ اور اقتدار حاصل کرنے کی روح کہتے ہیں۔ تھامس ہابس THOMAS HOBBES اور فریڈرک نٹشے FRIEDRICH NIETZSCHE کے مطابق یہ WILL TO POWER ہے۔

SEILLIERE نے یہ ثابت کیا ہے کہ انسانی تاریخ کے اندر سماج کی بناوٹ ہی دوسروں کو فتح کرنے کی بنیاد پر رکھی گئی۔ ایک اور فرانسیسی مصنف EDOVARD ROD نے 1907ء میں کہا کہ سامراجیت فطرت اور قدرت کا قانون ہے۔ جنگل میں بڑے بڑے تناور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درخت چھوٹے چھوٹے پودوں کی ہوا اور روشنی کو روک لیتے ہیں۔ اس طرح دوسرے پودوں کی حدود میں پھیلتی بڑھتی ہوئی ان کی مضبوط شاخیں سامراجیت کا ثبوت ہیں۔ کتے بلیوں کے پیچھے اور بلیاں چوہوں کے پیچھے جو بھاگتی ہیں یہ سامراجیت ہی ہے۔

اسی طرح انسانی نسلوں اور قوموں کے مابین جنگیں بھی اسی بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ لہٰذا سامراجیت ایک قانون فطرت ہے یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کے لئے کسی فرد، کسی گروہ، جماعت، طبقہ یا قوم کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ یہ طاقت ور کا ایک فطری حق ہے اور یہ لاتعداد بکھرے انسانوں، لوگ اور عوام کی قسمت ہے۔ لہٰذا لوگوں کو ہمیشہ کی غلامی سامراج کی تاریخ نے دی ہے اور اس قسمت سے کوئی فرار نہیں۔ جب تک شیر رہے گا، عقاب رہے گا، شارک رہے گی یہ خونریزی قائم و دائم رہے گی۔ جرمن نازی لیڈر ایڈولف ہٹلر نے اس فلسفہ کو کتابوں سے نکال کر عمل کی شکل دی، جرمن تمام دنیا سے افضل، اعلیٰ اور برتر ہے۔

ولادی میر لینن نے 1915/16 میں فطرت کی تحقیق کی اور انتہائی کشادہ، وسیع اور جامع فلسفہ پیش کیا جس میں کہ سامراج کی فطرت کے بارے میں تفصیل سے بتایا کہ کون سی وجوہات کونسی ٹھوس بنیادوں پر قائم رشتے جنہوں نے سامراجیت کو پیدا کیا اور اس کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور پھر سامراج کے خلاف کیسے جدوجہد کر کے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کامریڈ لینن نے اپنی کتاب "سامراج، سرمایہ داری کی اعلیٰ ترین شکل ہے"

(IMPERIALISM THE HIGHEST STAGE OF CAPITALISM) میں اپنے نظریاتی نتائج کا اظہار کیا ہے۔

ہمارے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ ہم اس تاریخی پس منظر کا مطالعہ بھی کریں جس میں کہ لینن نے یہ کتاب لکھی۔ اس وقت پہلی جنگ عظیم کی تباہ کاریاں شروع ہوئی تھیں۔ جس میں کہ بین الاقوامی سطح پر بڑی قوتیں آپس میں برسرپیکار ہو گئیں۔ زار روس نے قوم پرستی کے نام پر اپنے ظالمانہ مفادات کی حفاظت کے لئے مظلوم طبقات کو جنگ کی

بھٹی میں جھونک دیا۔ جب جرمنی، برطانیہ اور روس جنگ میں برسرپیکار تھے تو کمیونسٹوں کے لئے وہ فضا سازگار ہو گئی جس سے کہ انقلاب روس ممکن ہوتا ہے اور انہی حالات میں لینن نے یہ کتاب لکھی۔ لینن نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ سرمایہ داری ناگزیر طور پر اجارہ داریوں میں بدل جاتی ہے اور اس کا مضبوط شکنجہ ساری دنیا کو جکڑ لیتا ہے۔ اس طرح جنگیں جنم لیتی ہیں۔ کیونکہ سرمایہ داری نظام کے لئے ضروری ہے کہ وہ خام یا کچا مال حاصل کرے اور پھر تیار شدہ مال کو بیچنے کے لئے منڈیاں تلاش کرے۔

خام مال کا حصول اور منڈیوں کی تلاش یہ دو بنیادی باتیں ہیں جس سے کہ سرمایہ داری نظام کینسر کی جڑوں کی طرح پھیل کر دنیا میں سامراجی IMPERIALIST نظام پیدا کرتا ہے۔ یہ نظام صرف خام مال کی تلاش اور منڈیوں تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ سستی لیبر اور غلاموں سے بھی بدتر حال مزدور کا لہو بھی اسے درکار ہے۔ پھر یہ ان نئی سرزمینوں کی تلاش کرتا ہے جہاں کہ معدنیات متوقع ہوں۔ سرمایہ دار یہ سب کچھ کسی کینہ، غصہ، بغض یا انتقام کے لئے نہیں کرتا بلکہ یہ سرمایہ داری کی اہم ضرورتیں ہیں۔ اجارہ دار سرمایہ دار دنیا کی تقسیم کا بڑا حصہ مانگتا ہے۔ جو کہ انسانی دوستی اور فلاح کے رشتوں کے لئے ایک بارود ہے۔ دنیا میں موجود تمام معاشی تضادات کا حل معاشیات کے اندر ہی پنہاں ہے۔ بعض صورت منڈیاں نہ ملنے کی صورت میں یا خام مال نہ ملنے کی صورت میں یا لوگوں کی قوت خرید نہ ہونے کی صورت میں اجارہ دار سرمایہ دار بحران میں آجاتا ہے۔ کیونکہ سرمایہ دار پیداوار کو اس طرح قابو میں رکھتا ہے جس سے کہ اسے زیادہ سے زیادہ منافع ہو۔ اس کی نظر میں انسانی فلاح کے کوئی معنی نہیں اس بحران کا حل پیداوار کو بڑھانا اور اشیاء کو سستا کرنا یا عوام کی قوت خرید میں اضافہ کرنے سے ہوتا ہے۔ لیکن سرمایہ دار تمام اقدام اس کے الٹ کر دیتا ہے۔ جس سے کہ معاشی سرمایہ داری بحران میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اجارہ دار سرمایہ دار اس بحران کا حل معاشی سطح پر نکالنے کی کوشش نہیں کرتا کہ وہ اس معاشی تضاد کو پیداوار بہتر کرنے سے حل کرے بلکہ وہ جنگوں اور خونریزی سے یہ تضادات حل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور لاکھوں انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری کی پوری قوموں کو مٹا کر بھی اس کی ہوس کی پیاس نہیں بجھتی۔ آج کے سرمایہ دار کے پاس انسانیت کو لوٹنے کے لئے دو ہتھیار ہیں جن کا کہ وہ بیک وقت ترتیب اور تنظیم کے ساتھ استعمال کرتا ہے سیاسی ہتھیار اور معاشی ہتھیار۔ سیاست تمام فوجوں اور میزائلوں سے مسلح ہے اور معاشیات تمام علوم کے ساتھ سجی ہوئی یہ پری نما جن انتہائی طور پر خطرناک اور مہلک ہے۔

روم کے زمانے میں غلاموں کے حصول کے لئے جنگیں لڑی جاتی تھیں۔ جاگیرداری نظام میں جاگیروں کے حصول کے لئے جنگیں ہوتی تھیں۔ سامراجیوں کے مابین دنیا کو تقسیم در تقسیم کرنے کے لئے لاتعداد جنگیں لڑی گئیں یہ کالونیوں کے حصول کے لئے تھیں۔ سرمایہ داری آزادی کا نام نہیں یہ آزاد مقابلہ کا نام ہے جو کہ ناگزیر طور پر اجارہ داری اور غلبہ کی صورت میں آزادی اور طاقت کے توازن کو ختم کر دیتا ہے۔ سرمایہ دار بینکوں کے ذریعے تمام سماج کے سرمائے کا بھی ارتکاز کر لیتے ہیں۔ سامراج کا علاج صرف اور صرف پرولتاری کمیونسٹ انقلاب ہے۔

اب اس سے اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سامراجیت اتنی خوفناک ہے تو پھر اس کی مخالفت اس حد تک ہونی چاہیئے کہ یہ نظام کامیاب نہ ہو۔ لیکن سامراجی فلسفی دانشوروں اور سیاست دانوں نے اس کے محافظ کی حیثیت سے کئے اقدامات کئے ہیں۔ اس ظالمانہ نظام کو بچانے کے لئے لوگوں، عوام اور سرمایہ دار طبقہ کے مابین معاشی تضاد اور تفریق کو ایک توازن دیا جاتا ہے۔ ایسا توازن جس سے کہ شعلہ پیدا نہ ہو سکے اور لوگوں کو پراپیگنڈہ کے ذریعے اس نظام کے فوائد بتائے جاتے ہیں اور ان کو اس طرح مسحور کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کو ایسے دھوکے میں رکھا جاتا ہے جیسے سراب نظر آتا ہے۔ ریت کو صحرا میں وہ پانی سمجھتے ہیں۔ ہر آدمی سمجھتا ہے کہ کل میں بہت امیر ہو جاؤں گا۔ یہ محلات میرے ہوں گے۔ میں دنیا پر راج کروں گا۔ اسی فریب نظر کی وجہ سے ہر آدمی ذہنی طور پر اس نظام کو تسلیم کر لیتا ہے جو کہ اس کے خون پر پروان چڑھتا ہے۔ حالانکہ معاشیات کے قوانین کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقدیر اور قسمت کی زنجیر اس کی طاقتور کڑیاں

معاشیات سے بنتی بگڑتی ہیں اور ہر انسان اس کا پابند ہے۔ وہ جکڑا ہوا ہے۔ یہاں آزادی ایک تصور اور خواب سے زیادہ معنی نہیں رکھتی ہے۔ ٹھوس حقیقتیں اس سے بہت مختلف ہیں۔

سامراج کی سیاست کا تیسرا بڑا ہتھکنڈہ سوشلزم کا راستہ روکنے کا ہے۔ سوشلزم جو کہ عوام کی تنظیم و تحریک اور علمی شعوری سطح کو بلند کر کے عوامی نجات کا باعث ہے۔ لوٹ اور استحصال کو ہمیشہ کی نیند سلا دیتا ہے۔ سوشلزم کا راستہ روکنے کے لئے سامراج حکومتی اداروں کو استعمال کرتا ہے۔ جس کی حفاظت کے لئے بڑی بڑی مسلح فوجیں تیار کھڑی رہتی ہیں۔ تمام وسائل، پریس پراپیگنڈہ، ریڈیو، ٹیلی ویژن، تعلیم کارنگ، گرجا گھر، مولوی اور پادری اسی مقصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ قوانین اسمبلیاں پولیس سب ادارے اسی استحصال کے نظام کا تحفظ کرتے ہیں۔ حکومت تمام معاشی پالیسیاں وضع کرتی ہے جو کہ استحصالی نظام کی بقاء کے لئے اور تحفظ کے لئے ہوتی ہے کیونکہ ان حکومتوں اور ان کے لیڈر بین الاقوامی لوٹ کھسوٹ کے نظام میں حصہ دار ہوتے ہیں۔

سرمایہ دار وہ شخص ہے جو بہت سے افراد کو اکٹھا کر کے ان سے کام لیتا ہے اور پھر ان کو ان کی محنت کا صرف اتنا اجر دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی بمشکل قائم رکھ سکیں۔ تمام افراد کی محنت کا زیادہ حصہ وہ معاشی استحصال اور لوٹ کے ذریعے لے جاتا ہے اور اس کا وہ مالک بن جاتا ہے۔ زمین پر پانی کے چشموں پر قبضہ کر کے یہ کہتا ہے کہ ان چشموں کا میں مالک ہوں اور اس کا پانی بیچ کر دولت کے انبار لگاتا ہے۔ زمین پر قابض ہو کر اس کا مالک بن بیٹھتا ہے اور کسان کی سال بھر کی محنت کو لوٹ کر لے جاتا ہے۔ انسانی خون اور استحصال اور انسانی محنت سے جمع شدہ دولت کے ڈھیر سرمایہ دار اور جاگیردار کو جنم دیتے ہیں۔

یہ گاؤں کا ڈیرہ ہے یہ شہر کا سرمایہ دار ہے، ہر گھاٹ پر اس کا قبضہ ہے، یہ تقدیروں کا مالک ہے۔ سرمایہ جمع ہوا شہر کے سرمایہ دار کے بعد ملک کا سرمایہ دار بنا۔ اس سرمایہ دار کے بے پناہ وسائل ہیں۔ اس بے پناہ وسائل کے مالک نے ہتھیار بھی خریدے، علم بھی خریدا، ہر چیز خریدی اور پھر ساتھ والے غریب ملک یا شہر پر حملہ کر دیا۔ اس کو بھی غلام بنایا عورتوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو لونڈی بنایا اور اس خطہ کی دولت کو بھی لوٹ لیا۔ دنیا فتح کرلی۔ اب سمندروں کے خزانے تمام ہواؤں اور فضاؤں کی طاقت اس کی نجی ذاتی غلام ہے۔ یہ ساری دنیا کو فتح کرنے والا سرمایہ دار سامراج کہلاتا ہے۔ آج امریکہ سب سے بڑا سامراج ہے۔ برطانیہ بھی سامراج ہے۔ فرانس، جرمنی اور جاپان سامراج، زار روس کے زمانہ میں روس بھی سامراج خروشیف کے زمانہ سے روس کا کردار ایک سوشل سامراج کا ہو گیا تھا۔

تاریخ میں سامراج کا کردار کیا رہا ہے اور موجودہ وقت میں اس کا کیا کردار ہے انسانیت کی نجات کے لئے اس بیماری کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا سرمایہ دار یعنی کہ امریکی سامراج جو کہ باقی ملکوں خاص طور پر تیسری دنیا کے عوام کا خون پی کر پلتا ہے۔ یہ سامراج سرمایہ داری کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ یہ انسانیت کی گود میں پلنے والا سانپ ہے جو کہ ترقی کے نام پر لوگوں کا گلا بھی دبا رہا ہے اور لوگ سانس گھٹ کر مر رہے ہیں۔ سامراج ایک مہلک بیماری کا نام ہے۔ اگر کسی ایک ملک میں بھوک، قحط یا افلاس ہو تو لوگ منظم ہو کر اپنے ملک کے سرمایہ دار کے خلاف بغاوت کر لیتے ہیں لیکن غیر ملکی سرمایہ دار سامراج بہت بے رحم اور ظالم ہوتا ہے۔ وہ شکاری کتوں کی طرح غیر ملکی عوام کی چیر پھاڑ کرتا ہے اور اس کے خلاف بغاوت بہت مشکل ہو جاتی ہے۔

آج دنیا کے بیشتر ممالک میں معاشی پسماندگی کی وجہ سے انقلاب کے حالات اپنی پختگی کو پہنچ چکے ہیں۔ تیسری دنیا اور ان کے ممالک کی حالت بہت خراب ہے اور وہ تبدیلی کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ انقلابی قوتیں اپنے اپنے ملک کے حوالے سے بے پناہ طاقتور ہیں اور اپنے اپنے ممالک کے اندر سرمایہ دار اور جاگیردار طبقات کے سیاسی اقتدار کے تختے الٹنے کا مکمل اختیار قابلیت اور صلاحیت رکھتی ہیں۔ لیکن میزائیلوں کے ساتھ سامراجی فوجیں جو آپ کو تباہ و برباد کرنے کے لئے تیار کھڑی ہیں دنیا میں آنے والے انقلابات کے راستے میں سب بڑی رکاوٹ ہیں۔ پانیوں میں ان کے بحری بیڑے آپ کی مزاج پرستی کے لئے تیار ہیں اور انہوں نے انقلابات کو روکنے کے لئے ہمارے ملکوں کے اندر سیاسی ایجنٹوں کا ایک جال بچھا دیا ہوا ہے۔

برطانیہ ایک جزیرہ ہے جہاں ماضی میں کچھ بھی پیدا نہ ہوتا تھا۔ یہ لوگ جہالت میں ڈوبے ہوئے قبائلی طرز کی زندگی بسر کرتے تھے۔ سمندر سے چاروں طرف گھرے اس جزیرے کے لوگ ماہی گیر تھے۔ یہ ماہی گیر کشتی رانی بھی کرتے، آہستہ آہستہ یہ جہاز رانی میں بدل گئی۔ یہ جہاز ران پھر ماہی گیری کے ساتھ ساتھ بحری قزاق بن گئے، سمندروں میں لوٹ مار سے انکی گذر اوقات بہتر طریقے سے ہونے لگی۔ خون کی اس چاٹ نے ان کو قزاقی کے فن میں یکتا اور ماہر کر دیا۔ ان بحری قزاقوں نے ایک منظم لوٹنے والا ادارہ بنا لیا۔ ان منظم بحری قزاقوں نے دوسرے ممالک کو فتح کرنے کی ٹھان لی۔ اس لوٹ اور قزاقی کے پیشہ میں جرمن، فرانس اور ہالینڈ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہی قزاقوں نے امریکہ دریافت کیا۔ موجودہ امریکہ درحقیقت کوئی قوم نہیں ہے بلکہ ان کا ماضی اور ان کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ یہ انگلینڈ جرمنی فرانس اور ہالینڈ کے ڈاکو، لٹیرے اور رہزن تھے۔ جنہوں نے مل کر امریکہ آباد کیا اور وہاں کی اصل آبادی کا قتل عام کیا بہت خونریزی کی اور ان کو اپنے ہی ملک میں اجنبی بنا دیا۔ ان کو جنگلوں میں رہنے پر مجبور کر دیا۔ جب ان قزاقوں کی حکومت مستحکم ہو گئی تو ان لٹیروں نے امریکہ کی سرزمین کے وسیع خزانوں پر ہی قناعت نہ کی بلکہ براعظم افریقہ میں بھی لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ سیاہ فام لوگوں کی وجہ سے وہ اسے تاریک براعظم کہتے تھے۔ اس طرح انسانی قتل عام ہوتا رہا۔ حبشیوں سے ڈنگر اور ڈھوروں جیسا کام لیا گیا۔ انہیں غلاموں کی کھلی منڈی میں بیچا گیا۔ ان غلاموں سے معدنیات نکلوائی گئیں۔ شہر آباد کروائے گئے، ترقی ہوئی، امریکہ کے اونچے اونچے ایوانوں کی تعمیر انسانی لہو گوشت اور لاشوں سے ہوئی۔ آج پھر یہ بھیڑیا اپنی صفت کیونکر بدلے۔ برطانوی اور دوسرے سامراجی ملکوں کی تہذیب کا ارتقاء تیسری دنیا کی غلامی میں مضمر ہے۔ جن کو بزور شمشیر غلام بنایا گیا۔

موجودہ صورتحال کچھ اس طرح ہے کہ تیسری دنیا کے لوگ جن کی آبادی دنیا کی کل آبادی کا تین چوتھائی ہے۔ پسماندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرے ہوئے ہیں۔ بے روزگار علم کے نور سے بے بہرہ پیٹ بھر کر کھانے کو روٹی نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1810ء کے دوران برطانوی سامراج نے ہندوستان سے تقریباً ایک ہزار ملین پونڈ کے درمیان رقم برطانیہ منتقل کرلی۔ رہزن لارڈ کلائیو کے زیر قیادت برطانوی فوجوں نے لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ 1860ء کے عشرے تک برطانیہ کو ادا شدہ ٹیکسوں کی مالیت 65 ملین پونڈ سالانہ تھی۔ 1945ء تک ہندوستان برطانیہ کو سالانہ 155 ملین پونڈ خراج ادا کرتا رہا۔

لارڈ کلائیو اور ان کے جانشینوں نے لوٹ مار کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے۔ انہوں نے ڈھاکہ کے پارچہ بافوں کے انگوٹھے تک کٹوا دیئے تاکہ کپڑے کی ترقی یافتہ صنعت دم توڑ دے اور پھر اس طرح برطانوی صنعت کو فروغ ہو۔

تیسری دنیا کے عوام کو سامراجی طاقتوں نے اپنی ظالمانہ لوٹ کھسوٹ سے نادار بنایا اور ان کو غربت دی۔ انہوں نے ایک ایسا جادو بھرا نظام قائم کیا کہ ہمارے ملکوں کے پسماندہ اور مفلس لوگ نام نہاد ترقی یافتہ سامراجی ملکوں کی آغوش میں پناہ لے کر محنت بیچنے پر مجبور ہوں۔ ہم جاہل اور بیوقوف اپنی پوری قوم کو ان کے ہاتھوں فروخت کرکے ذاتی اور انفرادی طور پر چکاچوند کردینے والی ان کی تہذیب اور استحصالی لوٹ مار کرنے والے طبقوں کی آسائش بھری زندگی تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔ سامراجی ملکوں کا پراپیگنڈہ جو ہزار طریقوں سے ہماری ذہنوں کو ماؤف کئے ہوئے ہے۔ ہمیں نئی قسم کی ذہنی غلامی میں جکڑے جا رہا ہے۔ ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ امریکی تہذیب جس کے ہم اس قدر دلدادہ ہیں افریقی حبشیوں کے خون اور ہڈیوں پر استوار ہے۔ چار صدیوں میں تقریباً 5 کروڑ افریقیوں کو غلام بنا کر امریکہ میں بیچ دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس زمانے میں ہوا جب سرمایہ دارانہ نظام کی نشوونماء ہو رہی تھی، جمہوریت اور مساوات کے نعرے لگ رہے تھے۔ آج کی امریکی ترقی اور تہذیب انہی بے بس اور مجبور انسانوں کے گوشت پوست پر تعمیر کی گئی ہے۔ تیسری دنیا کے جن ممالک نے آزادی حاصل کر بھی لی ہے۔ وہ بھی ابھی تک سامراج کی معاشی زنجیروں میں اسی طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ ان کی سیاسی آزادیاں درحقیقت فریب ہیں۔ آج بظاہر سامراجی طاقتوں کی تیسری دنیا میں براہ راست حکومتیں ختم ہو چکی ہیں۔ انہوں نے لوٹ کھسوٹ کے پرانے اور ننگے ظالمانہ طریقے ختم کرکے نت نئے طریقے

اختیار کرلئے ہیں۔

استحصال اور لوٹ کا ایک مربوط اور ہمہ گیر قسم کا نظام قائم کرلیا ہے۔ لوٹ کھسوٹ کے اس نئے نظام کو مضبوطی اور دوام بخشنے کے لئے نہایت ہی اعلیٰ درجے کے نئے جال اور پھندے بنائے ہیں۔ یہ نظر نہ آنے والے شکنجے تیسری دنیا کو اپنی آہنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں اور سائینسی طریقوں سے ان کے عوام کا خون پہلے سے بھی زیادہ مقدار میں کشید کر رہے ہیں۔

ان طریقوں میں سرفہرست پسماندہ ترقی پذیر ملکوں کی ترقی کے لئے مشروط سودی قرضے ہیں جو اوہ مہربان بن کر اپنی مختلف ایجنسیوں جن میں کہ ہمارے لیڈر اور سیاسی پارٹیاں بھی شامل ہیں ان کو دیتے ہیں، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ عالمی بینکوں اور دوسرے اداروں کے ذریعے ترقی پذیر ملکوں پر نچھاور کرتے ہیں۔ 1990ء تک قرضوں کی ادائیگی ہمارے ان ممالک کی کل برآمدات کا 40 فیصد ہڑپ کر گئیں۔ آج ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کے یہ سودی قرضے اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ وہ ترقی پذیر ملکوں کے سینوں پر سوار ان کا گلا گھونٹ رہے ہیں اور ترقی پذیر تیسری دنیا کے ممالک سانس لینے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور اپنی نجات کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

یہ ایک خاموش بھیانک اور سرد جنگ ہے جس میں کہ گھل کر ہماری عوام کینسر سے بھی زیادہ گھلا دینے والی معاشی مرض میں مبتلا ہیں اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے رہے ہیں۔ ہمارا ہر پیدا ہونے والا بچہ بھی امریکہ کا مقروض ہے۔ ان ظالم فرعونوں نے تیسری دنیا میں معاشی بدحالی کی تباہی مچا رکھی ہے۔ اس جنگ میں سپاہیوں کی جگہ بچے جان دے رہے ہیں۔ ہزاروں زمینوں کی جگہ لکھو کھا بے روزگاروں نے لے لی ہے۔ یہ جنگ غیر ملکی قرضوں کے متعلق ہے۔ اس کا بڑا ہتھیار سود ہے جو کہ ایٹم بم اور لیزر کے ہتھیاروں سے بھی زیادہ تباہ کن ہے۔ ترقی یافتہ سرمایہ دار ریاستوں کے ہاتھوں میں تیسری دنیا کے استحصال کے لئے تجارت بھی ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔ ترقی یافتہ ممالک پسماندہ ممالک کو اپنی مصنوعات نہایت ہی مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں۔ نیز قرضوں کی آڑ میں انہیں مجبور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں کہ ان کی مصنوعات کی در آمد پر کوئی پابندی نہ لگائیں۔

امریکہ کے لئے جنگی طیارہ کی قیمت ٹین کے ایک ڈبے کے برابر ہے۔ ٹین کا یہ ڈبہ امریکہ ہمیں کروڑوں روپے میں فروخت کرتا ہے۔ ہمارے حکمران امریکی ایجنٹ ٹین کے یہ ڈبے خریدتے ہیں اور اس کے عوض لاکھوں کروڑوں ٹن اشیاء ان ملکوں کو بھیج دیتے ہیں یا ایسی شرائط قبول کرتے ہیں جس سے کہ قوم و ملک کا بے پناہ نقصان ہو۔ یہی کاروبار ڈاکہ ہے جس کی وجہ سے ہم غربت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تیسری دنیا میں صنعت پر پابندی ہوتی ہے اور اگر کوئی صنعت لگے بھی تو وہ بھی ان کی غلامی میں۔

آج گیارہ ہزار بین الاقوامی کمپنیاں ان کی اسی ہزار شاخیں دنیا بھر میں قائم ہیں۔ وہ ترقی پذیر ملکوں کے کل چالیس فیصد حصے پر قابض ہیں اور نصف تجارت پر حاوی ہیں۔ امریکہ نے نسلی بنیادوں پر بھی لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس کی طویل مجرمانہ داستانیں انسانی تاریخ کے سینے پر خوفناک گہرا داغ ہیں۔

تمام جدید ترین ذرائع ابلاغ اور حکومتیں سامراجیوں کے شکنجے میں ہیں جو کہ حقائق کا مسخ شدہ چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور سامراج کی برتری کا ڈنکا پیٹ رہے ہیں۔ امریکی سامراج نے کھلم کھلا مسلح جنگ کے ساتھ ساتھ خاموش خفیہ سرد جنگ کا اہتمام بھی بہت خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ اس خفیہ سرد جنگ کے لئے دنیا بھر میں اپنے لاتعداد اڈے اور ایجنسیاں بنا رکھی ہیں اور اپنے ان ایجنٹوں کو باوسائل اور طاقتور بنا کر تمام ملکوں کی قیادتیں انہیں سونپ دی ہیں۔ دانشور قلمکار دنیا کی منڈی سے پیاز اور آلو کے بھاؤ خرید لئے ہیں۔ الیکٹرانک سائنیس ٹی وی، ریڈیو اور ذرائع مواصلات کے ذریعے دنیا بھر کے عوام کا ذہن ماؤف کر رکھا ہے۔ دائیں بازو کے علاوہ بائیں بازو کے لیڈر بھی منڈی میں بک چکے ہیں۔ امریکہ نے اپنے نمائندگان ہر مکتبہ فکر پر پہرہ دار کی حیثیت سے بٹھا رکھے ہیں۔ کچھ بندوقوں سے مسلح واضح دشمن جو کہ ہمیں ڈرانے کے لئے ہمیں نظر آتے ہیں۔ سب سے زیادہ مہلک دشمن دوست نما دشمن جن کی وجہ سے عوام کو ذہنی خلفشار کا شکار کر دیا جاتا ہے۔ معاشیات کا سارا نظام ان بھیڑیا صفت درندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ سوشلزم کے

نام پر بھی فاشزم کا عمل روا رکھا گیا ہے۔

اب گرم اور سرد جنگوں کی شکل بدل گئی ہے۔ اب یہ جنگیں صرف اور صرف معاشیات کے میدان میں لڑی جاتی ہیں۔ کسی آدمی یا قوم کو غلام بنانے سے بدنامی آتی ہے۔ اب معاشی استحصال سے سامراجی دولت سمیٹ لو، انسان کو مرنے دو، قحط پڑے، نسلیں مٹ جائیں، جنگیں ہوں یا لاشوں کے انبار لگ جائیں ہم تو ذمہ داری سے آزاد ہیں۔ ان مرنے والوں کی ذمہ داری تو ان کے اپنے لیڈروں پر آئے گی۔ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے ان کے لیڈروں کو بھی پھانسی لگا دیں گے یا جہاز گرا کر مروا دیں دل کا دورہ ڈال کر مار دیں گے، ایجنٹوں کی بھی تو آخر کوئی سزا ہونا چاہیئے۔ زبانی جمع خرچ والی جمہوریت نام نہاد آزادی دو مگر معاشی غلامی میں انہیں بے دست و پا جکڑے رکھو۔ یہ نڈھال خود ہی غلام بننے کی خواہش کریں گے۔ یہی ان کی آزادی ہے۔ یہی سامراجی جمہوریت ہے کہ عوام بخوشی اپنی مرضی سے ہماری زنجیریں پہن لیں۔

تیسری دنیا کے تمام سیاست دان امریکی سامراجی آلۂ کار ہیں۔ ایران کا مسئلہ ہو یا پھر افغانستان کا، عراق کا یا پھر ہندوستان کا، ترکی اور یونان کا، عرب یا اسرائیل کا، کوریا افریقہ ہو یا جنوبی امریکہ یا دوسرے کمزور ممالک ان سب ممالک میں پیدا کردہ مسائل سامراج ہی کا ایک کھیل ہے۔ کمپیوٹرائیج ہے۔ بے پناہ وسائل کے مالک عالم و فاضل سامراجی ساری دنیا کی راہیں متعین کرتے ہیں۔ پٹرول دنیا کے کس علاقے میں ہے۔ گندم کی پیداوار کیا ہے۔ طوفان کب آئیں گے، قحط کہاں پڑے گا، معاشی بدحالی کہاں کہاں ہے، جنگ کے امکانات کب اور کہاں کہاں ہیں، جنگوں کے نتائج کس سمت برآمد ہونگے، مختلف خطوں کی جغرافیائی کیفیت اور حالات کیا ہیں، لوگوں کا تہذیب و تمدن کیا ہے، لوگ کس عادت یا رسم و رواج کا شکار ہیں؟ اور پھر یہ آقا منظم سیاسی سازش کے ذریعے متوقع نتائج کے حصول کے لئے دنیا کو جنگ قحط اور معاشی بدحالی دیتے ہیں۔ ان کی شکار قومیں بھکاریوں کی طرح اپنے آقا کی گود میں گرتی ہیں۔ سامراج ہمیں جہالت کی موت دیتا ہے جو کہ ان کی لوٹ کو اور زیادہ آسان بنا دیتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہالت گرجا گھر اور سیاست کے ذریعے دی جاتی ہے۔ تمام عقائد کو سامراج اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ عقائد کے حوالے سے یہ سامراجی حملہ بے پناہ خوفناک ہوتا ہے۔ تمام پادری، ملا اور مذہبی رہنما اس کے حواری بن جاتے ہیں۔ اس سازش کے ذریعے غریب عوام کو جھوٹے عقائد کے جال میں پھنسا لیا جاتا ہے۔ ان کو ذہنی طور پر غیر مسلح کر دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے ہماری جدوجہد کا حق بھی ہم سے چھین لیا جاتا ہے۔ حقوق کے حصول کی بات تو دور کی ہے۔ ہمارے احساس زیاں، نقصان کے احساس اور حقوق کے شعور سے بھی ہم کو عاری کر دیا جاتا ہے۔ غلام تو ہم ہیں ہی لیکن ہمارے احساس غلامی کے چھن جانے سے ہماری اور ہماری نسلوں کی نجات کی آخری امید کی کرن بھی بجھ جاتی ہے۔ راکھ کے اس ڈھیر میں ایک شرر اور چنگاری کی موجودگی بھی سامراج برداشت نہیں کرتا۔ اس طریقہ واردات سے سامراج میدان جنگ میں ایک سپاہی بھیجے بغیر خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ایک بہت بڑی نفسیاتی جنگ جیت لیتا ہے، ایسی جنگ جو کہ بے پناہ وسائل کے باوجود جیتنا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ جنگ ساری دنیا کے عوام کے خلاف ہے۔ یہ فتح کی ہوئی جنگ عوام گھر بیٹھے ہی ہار جاتے ہیں۔

ہر انسان کا عقیدہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا عقیدہ ہی حقیقی علم ہے۔ حالانکہ اس کی تائید کے لئے وہ کوئی دلیل فراہم نہ کر سکتا ہے۔ اور پھر انسانوں کی قدریں دنیا میں بدلتی رہتی ہیں اور تضادات کا شکار رہتی ہیں۔ درحقیقت عام طور پر انسانی برتاؤ اور کردار کو اعلیٰ اقدار اور نیکی کی رہنمائی بہت ہی کم حاصل ہوتی ہے۔ ان اقدار کی جگہ جدوجہد کرتے ہوئے رجحانات مفادات ذاتی دلچسپی اور عقائد کی منزلوں کا ایک جال انسانی سوچ اور عمل پر حاوی ہوتا ہے۔ اخلاقی اور روحانی قدروں کو نام نہاد بلا جواز منطق کے ذریعے اخلاقیات اور نیکی کو بھوکے مفادات کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔

ہمارے عقائد کے چناؤ میں اس بات کا گہرا رنگ موجود ہوتا ہے کہ ہمارے مفادات کیا ہیں اور ان مفادات کی حفاظت کون سے عقائد بہتر طریقے سے سرانجام دیتے ہیں۔ یہ مفادات قطعی طور پر ذاتی اور انفرادی ہوتے ہیں اور ان کی روشنی میں ان عقائد کی حفاظت

کی جاتی ہے جو عقائد ذاتی مفادات کی حفاظت کی ضمانت فراہم کرے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اعلیٰ اقدار اونچے خیالات اور کردار ان سب کو ہم جان بوجھ کر پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ عمل ایسا ہی رہتا ہے۔ لیکن یہ سب اچھی چیزیں ہم اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھتے ہیں کہ ان کو ہم مختلف تقریبات میں سطحی محفلوں میں شاعرانہ انداز میں دہرا کر داد تحسین حاصل کریں اور اس طرح نمایاں شخصیت حاصل کر کے ذاتی منفعت اور مفاد کے دروازے اور زیادہ کھول دیں۔ یہ سب باتیں محفلوں میں اداکاری کے لئے ہوتی ہیں۔ حقیقی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا نہ ہی کوئی واسطہ ہوتا ہے۔

نیکی سچائی اچھائی ان سب کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ ہم ان پر ذاتی مفاد کے تابع عقائد کا لبادہ چڑھا دیتے ہیں۔ اکثر تاریخ میں ایسا ہوتا چلا آیا ہے کہ لوگ ایسی باتوں پر عقیدہ رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس چیز کو کہ وہ ماننے کی خواہش رکھتے ہیں یہ کہ وہ ان کی خواہشات اور مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ مشہور اور معروف عقائد کا سائنسی تاریخی تجزیہ ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ نہ صرف یہ غلط ہی ہوتے ہیں بلکہ ان کو جان بوجھ کر ایک سکیم کے تابع توڑ مروڑ کے ایک مقصد کے حوالے سے بنا لیا جاتا ہے۔ اس میں غیر ضروری طور پر جہالت کے اندھے مقامات رکھے جاتے ہیں اور دوسرے طرف یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہی واحد ذریعہ ہے جس سے کہ حقیقی علم حاصل ہوتا ہے اور پھر اس جہالت کو ماننے کے لئے مفاد پرستانہ دلیلوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ دلیل اور منطق کو نہ ماننے کے لئے دلیل دی جاتی ہے۔ عقل اور دماغ کو بے معنی اور لغو شے کہا جاتا ہے اور اس کے جواز میں بھی اپنی ناقص عقل کا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ عقل و فراست بے معنی چیز ہے۔ اسی دی گئی عقل سے عقل کا انکار کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اس اندھیرے کے اندر جو کچھ ہمیں نظر نہیں آرہا وہاں پر ہی حقیقت ہے جو کہ ہمیں معلوم نہیں۔ تمام نسل انسانی میں جس چیز کا تجربہ نہ تو کسی نے کیا اور نہ ہی کوئی کر سکتا ہے اسی کو سب حقیقت مانتے ہیں۔ سائنس جس نے کہ انسان کو اتنی ترقی اور خوشحالی اور علم دیا۔ یہ چلتی ریل گاڑی یہ ٹیوب لائٹ یہ ہوائی جہاز، راکٹ یہ بجلی یہ دوائیں سب کا سب سائنس کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن پر کہ ہمارے جھوٹے عقائد اعتبار نہیں رکھتے۔

بات واضح ہو جاتی ہے کہ نتیجتاً اس سب کے پیچھے ایک لوٹ کھسوٹ کرنے والا مہیب اور خوفناک ہاتھ ہے جس میں تمام جہالتیں تمام علوم کی طرح موقع پرست ہوتی ہیں وقت اور جگہ موقع محل کے مطابق جہالت یا علم کا سکہ اپنے مفاد کے حصول کے لئے استعمال کر لیا جاتا ہے۔ اس مہیب مسخ شدہ عقائد کی آہنی پتھریلی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرانے کے لئے جو بھی انقلابی اور شعوری قوت اٹھتی ہے اسے شکست اور تباہی دی جاتی ہے تاکہ کروڑوں عوام جھوٹے عقائد کے جال میں قید بغاوت کا تصور بھی نہ کریں اور اس طرح استحصال اور لوٹ کا شکار رہیں۔ یہی جہالت کا تانا بانا جس پر کہ سامراج کا نظام پوری انسانیت کا لہو پی رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

پانچواں باب

قانونِ فطرت

سوشلزم کا تصور بین الاقوامی ہی نہیں ہے بلکہ یہ کائناتی ہے۔ انسانی سماج کی تاریخ، علوم اور سائنس کا بتدریج ارتقاء کائناتی سوشلزم کا ایک عکس ہے۔ سوشلزم صرف ایک فلسفہ ہی نہیں ہے نہ ہی صرف یہ کوئی تصور ہے یہ تو اجسام کی بنیاد اور فطرت میں رچا بسا ہے۔ سوشلزم جسموں کے اندر اس آگ اور جدوجہد کا نام ہے جو کہ ارتقاء تبدیلی اور نشوونماء کا باعث بنتی ہے۔ اس ساری کائنات کی حرکت اور جدوجہد سوشلزم کے مقاصد کے حصول کے لئے ہے۔ مظلوموں کی تمام بغاوتیں اور حصول انصاف کی تمام کاوش سوشلزم کا ہی نتیجہ ہیں۔

پانی سب سے بڑا سوشلسٹ ہے سطح ہموار رکھتا ہے یہ ہوائیں سوشلسٹ ہیں کم دباؤ کی طرف طوفان بن کر بڑھتی ہیں۔ زمین کا ہر ذرہ بلندی سے ٹکرا کر فرعونیت کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔ کمیونزم ایک ایسا نظام ہے جو کہ انقلابی صفت کی وجہ سے اعمال میں ہیئت کی مکمل تبدیلی کرتا ہے۔ یعنی کہ METAMORPHOSIS کا باعث بنتا ہے اور پھر اس طرح چھوٹی سطح پر بنیاد استوار کر کے اعلیٰ اور بلند تر زندگی کو جنم دیتا ہے۔ کروڑوں انسانوں کی آبادی میں جب کمیونزم جنم لیتا ہے تو ایسے سماج میں ہر فرد کی صلاحیتوں کو وہ مواقع ملتے ہیں جس سے کہ سماج کی اجتماعی تخلیقی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور پھر یہ سماج ارتقاء اور نشوونماء کی طرف قدم بڑھا دیتا ہے۔ نباتاتی حیوانی اور انسانی زندگی میں خلیات جب اکٹھے ملے تو انہوں نے ایک بستی بنائی جہاں کمیونزم رائج کیا اس بستی میں رہنے والا ہر خلیہ اپنی اہلیت اور استطاعت کے مطابق کام کرے گا اور اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے اجرت یا خوراک لے لے گا۔ اربوں خلیات کے مابین اس اتحاد تعاون انصاف اور عدل کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے خلیات کی اس پوری بستی نے ارتقائی جست سے ایک اور اعلیٰ وارفع زندگی کو جنم دیا انفرادی پودے حیوان اور انسان کی صورت رونما ہوا۔ اس کائنات کے سینے پر ناانصافی کے گہرے زخموں پر مرہم رکھنے کے لئے ہر شے سرگرداں ہے۔ گڑھوں کو پر کرنے کے لئے ذرات اس میں گرتے ہیں۔ پانی مٹی لا کر یہاں جمع کرتا ہے۔ بلندیوں کی توڑ پھوڑ کر کے گہرائیاں بھری جاتی ہیں۔ یہ کائناتی رجحان کمیونزم ہے۔ جب ابلتے ہوئے پانی کے چشموں سے صحرا سیراب ہوتے ہیں تو یہ سوشلزم ہی ہے۔ جب پیاسی آبادیوں پر گھنگھور گھٹائیں برستی ہیں تو فطرت سوشلزم کا اظہار کرتی ہے۔ اگر فطرت سرمایہ دار ہوتی تو برسات صرف سمندروں کے نام لکھ دی جاتی۔ کمیونزم میں انسانی مرضی یا خواہش کا دخل ہی نہیں ہے۔ کائنات ہو انسانی معاشرہ یا پھر انسانی جسم ایک مکمل اور جامع نظام کی تشکیل کے لئے کمیونزم ناگزیر ہے۔

ہر انسان اپنے لئے کچھ مانگتا ہے کہ اس کا بھی اس دنیا پر کچھ حق ہے۔ کیا واقعی اس کا حق ہے؟ ہر آنے والا بچہ ہم سے زمین کا صرف اتنا ٹکڑا مانگتا ہے جس پر کہ وہ پاؤں رکھ سکے۔ سر پر تھوڑا سا آسمان ایک چھت کی صورت۔ حقوق کی بات کیا مانگنے تک محدود ہے یا کہ پھر یہ اس سے آگے کی بات ہے۔ ہمیں کچھ باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں کچھ جاننا چاہیئے۔

کائنات کے اندر اس مہیب اور وحشیانہ ٹکراؤ میں عوامل کو پہچاننا چاہیئے۔ ہم نے کس دنیا میں قدم رکھا ہے۔ یہاں کی ریت کیا ہے؟ اس اندھیر نگری کی رسمیں کیا ہیں؟ اس کی عادت کو سمجھے بغیر ہم اس کو نہیں بدل سکیں گے۔ سر چھپانے کو جھونپڑی بھی نہ ملے گی۔ جب تک ہم دلیل، منطق، عقل، علم، فراست اور حقیقت کی پہچان، ان سب ہتھیاروں سے اپنے آپ کو مسلح نہیں کرتے ہم اپنے وجود کو قائم اور زندہ نہیں رکھ سکتے۔ جب ہم اس دنیا میں آتے ہیں تو لاتعداد اجسام اور اشیاء اپنی اپنی جدوجہد میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ چاند سورج ستارے چمکتے دمکتے اپنے سفر کی جانب رواں دواں۔ ہوائیں طوفان، سمندر، پانی، بجلی اور آگ سب کا بھڑکتا ہوا عمل۔ انسان اور جانور شدت حوادث کے شکار اپنے اپنے

طرز پر زندگی گذارتے۔ یہ سب باتیں ہمارے مشاہدات میں گزرتی ہیں۔ اپنے اردگرد کے ان عوامل اور اجسام کو سمجھنے کے لئے اپنی زندگی اپنی نسل کو قائم رکھنے اور بچانے کے لئے یا پھر ترقی کے لئے اور اپنی منزل کے حصول کے لئے ہمیں انتہائی اہمیت کی حامل باتوں کو جاننا اور سمجھنا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اشیاء کی گہرائی میں ان کی فطرت ہے اور بہت بنیادی ہیں۔ اسے قانون کہتے ہیں۔ قانون کیا ہے؟ ہمیں قانون کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قانون کو سمجھ لینا ایسے ہی ہے جیسے کہ دیئے ہوئے خاص حالات میں حقیقت کو جان لینا۔ علم کی اس شاخ کا حصول بہت بنیادی ہے۔ یہ فطرت اور سماج کو سمجھنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

حقیقت انسانی فکر سے بہت بلند اور بڑی ہے۔ ساری کائنات ایک حقیقت ہے جس کو انسان کی سوچ محیط نہیں کر سکتی لیکن انسان کے لئے حقیقت کا مطلب اور حقیقت سے مراد انسانی مشاہدات اور تجربات میں آنے والے واقعات اشیاء اور اجسام ہیں۔ جن چیزوں کو انسان محسوس کر سکتا ہے ہمارے لئے وہی حقیقت ہے۔ جو چیز ہمارے تجربات و مشاہدات کے دائرے سے باہر ہے وہ ہمارے لئے کچھ معنی نہیں رکھتی ہیں۔ اشیاء یا اجسام ان گنت امتزاج کے ذریعے ایک دوسرے پر اثرانداز ہو رہے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا ادراک فہم اور شعور ممکن نہیں اور جو بات ہمارے ادراک فہم اور سمجھ میں نہ آسکے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ وہ حقیقی ہو مگر ہمارے پاس اس حقیقت کو تسلیم کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ کیونکہ ادراک، عقل، فہم اور دماغ ہی ہمارے پاس واحد ذریعہ ہے جس سے کہ ہم مختلف چیزوں اور عوامل کی پہچان کر سکتے ہیں۔ انسان کے لئے حقیقت کے معنی صرف اور صرف انسانی رشتے کا حوالہ ہے۔ کیا میوزک ہوا میں آواز کی مربوط لہروں کا نام ہے یا کہ پھر یہ دماغ کے اندر پیدا جذباتی پیغام اور حس کا نام ہے۔ یہ میوزک دونوں ہی کے امتزاج کا نام ہے۔ کائنات میں ان گنت اقسام کے اعمال جاری و ساری ہیں لیکن جن اعمال کو انسانی ذہن یا احساسات قبول کر سکتے ہیں انسانی نقطہ نگاہ سے حقیقت اسی دائرے میں بند اور قید ہے اس کے علاوہ حقیقت کے کوئی اور معانی ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی آلہ طریقہ یا ذریعہ موجود نہیں ہے جس پر کہ ہم حقیقت کو پرکھ سکیں۔ علم کی نارسائی کسی مثبت بات کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثبوت نہیں ہے۔ چونکہ دیوار کے پیچھے اندھیرا ہے اور میرے علم کی رسائی اس پار نہیں لہٰذا وہاں ایک بھوت ہے۔ اس بات کے کوئی معانی نہیں ہیں لیکن انسانی تاریخ پر ایسے اندھے عقائد کی چھاپ ہمیں ملتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب علم کی روشنی نے ان اندھیرے راستوں کو منور کیا تو دقیانوسی بھوت پریتوں کی حقیقت واضح ہوتی گئی۔ ہمارے لئے حقیقتیں صرف اور صرف وہی ہیں جن کا کہ انسانی عقل اور شعور ادراک کر سکے۔ جہاں انسانی عقل و فہم کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد لاعلمی کی باتیں ہیں قیافہ ہے ممکن ہے کہ یہ قیافہ یا اندازہ صحیح ہو اور عین ممکن ہے کہ یہ غلط ہو لیکن اس حد سے باہر ہم کوئی بات بھی وسوخ اور یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے۔ انسانی تصورات خیالات بھی اپنی مادی بنیاد سے آزاد نہیں ہیں۔ جن مادی حالات نے آپ کو گھیر رکھا ہے انہیں حالات سے پیدا شدہ خواہشات اور امنگوں کی بڑی بڑی تصویریں اور عکس آپ کے خیالات اور احساسات پر حاوی ہوں گی۔ سوچ بھی مادی حالات اور ماحول سے باہر جست نہیں لگا سکتی ہے۔ زمین کا مرکز اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا مگر وہ ایک حقیقت ہے۔ اس حقیقت کا تصور اسی وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ ہم یہ کہیں کہ زمین گیند کی طرح گول ہے۔ چونکہ گیند ایک گولا ہے۔ اس کا ایک مرکز ہے لہٰذا زمین کا بھی ایک مرکز ہو گا۔ ہمارے ذہن میں کروڑوں اربوں میل دور ستاروں کا ماحول یا وہاں کی مخلوق کا تصور نہیں آسکتا۔ سوائے اس کے کہ ہم اس کو زمین پر ہمارے تجربات میں سے گذرنے والے واقعات کو وہاں سے منسوب کر دیں۔ وہاں کی مخلوق کی شکل کچھ اس طرح بنا دیں کہ سینگ بیل کے، پاؤں ہاتھی کے، گردن زرافہ کی، آنکھیں الو کی اور چونچ عقاب کی۔ ٹکڑوں میں مختلف تجربات سے چرایا ہوا ایک نیا امتزاج ہمارا تصور بنتا ہے۔ کروڑوں اربوں سالوں پیشتر یہ کرے اور زمین یہ کائنات پیدا ہوئی۔ انسان بہت بعد میں پیدا ہوا۔ یہ ساری کائنات ایک حقیقت ہے مگر انسان کی پیدائش سے پیشتر انسان اور کائنات کے مابین ادراک کا کوئی رشتہ نہ تھا کیونکہ انسان ہی نہ تھا کسی صورت میں بھی سوچ مادی حالات سے باہر جست نہ لگا سکتی ہے۔

قانون اشیاء اور ان کے عمل کے درمیان ایک رشتہ کا نام ہے۔ مثال کے طور پر ایک

پتھر کو ہوا میں پھینکیں یہ ہمیشہ زمین کی طرف گرے گا۔ خاص وجوہات کی بناء پر زمین کی کشش ثقل اور اوپر پھینکے جانے والی چیز کے درمیان ایک جڑت ایک لگاؤ یا ایک رشتہ ہے اور یہ رشتہ عارضی نہیں ہے اور اس میں کسی شک کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ اس جسم کے لئے کوئی اور راہ موجود نہیں ہے۔ عوامل کے ذریعے اشیاء کے مابین مستقل بنیادی اور ضروری رشتہ کا نام قانون ہے جس کا تعلق اس کی بنیادی فطرت سے ہے۔ قانون سے کوئی شے بھی مستثنیٰ نہیں، فطرت میں ہمہ گیریت کو ہم قانون کہتے ہیں۔ قانون ہمیں بتلاتا ہے کہ فطرت میں سب سے گہری بنیادی اور عام چیز کیا ہے۔ یہ دائمی ہے اور ہر ایک پر گذرنے والی بات ہے۔

قانون کی لاتعداد اقسام ہیں قوانین فطرت یا قوانین قدرت جن کے مطالعہ سے مختلف سائنسوں کی بنیاد رکھی گئی۔ فزکس کے قوانین ہیں، کیمسٹری کے قوانین ہیں۔ ارتقاء کے قوانین ہیں نامیاتی کیمسٹری ہے پھر غیر نامیاتی کیمسٹری ہے۔ زندگی کیسے پیدا ہوئی بائیو کیمسٹری کا علم ہے۔ جانور سے انسان کیسے ارتقاء پذیر ہوا۔ انسان بنا انسان کے آنے سے سماج کیسے بنا سماج کے اپنے قوانین ہیں پھر انسانی رشتوں کے مابین انسان اور انسان کے درمیان قوانین بنے۔ یہ سب قوانین ہیں۔ قانون فطرت کی مہریں ہر جگہ ثبت ہیں انسانی معاشرے میں انسان کے بنے ہوئے قوانین پر بھی فطرت کی بالادستی ہے۔ قانون میں مختلف گہرائیوں اور مختلف وسعتوں کے سائے اس کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سائے کہیں دھندلے اور کہیں گہرے ہو جاتے ہیں۔ رنگ کی کمی بیشی، فاصلے، شدت اور امتزاج کے حوالے سے یہ اپنے اندر کشش اور دور دھکیلنے کی قوت اتفاق اور اختلاف پیار اور نفرت رکھتے ہیں۔

وہ کون سی وجوہات ہیں جنہوں نے قوانین کو جنم دیا۔ قوانین کیسے اور کیوں بنے۔ ایسا کیوں ہے کہ پانی نیچے ہی کی طرف بہتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ پتھر اوپر سے نیچے گرے گا؟ ان سوالات کا کیا جواب ہے؟ چونکہ ان کی فطرت ایسی ہے۔ تو مزید سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ان کی فطرت کیوں ہے؟ ہمیں ان کی اس فطرت کو تلاش کرنے کے لئے ایٹم کی دنیا کا باسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بننا پڑے گا۔ بہر صورت انسانی علم جس حد تک پہنچ سکا ہے وہی ہماری ممکنہ حد ہے۔ اس سے آگے دھند میں ہر شے گم ہو جاتی ہے۔ وقت کے ساتھ انسانی علوم کے قدم آگے بڑھتے گئے تو یہ دھند صاف ہوتی گئی لیکن یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔

ساری کائنات بذات خود ایک اکائی ایک اتحاد اور تنظیم ہے۔ جس میں کہ کسی کا علیحدہ شکل میں یا اس سے ہٹ کر اپنا وجود برقرار رکھنا ناممکن ہے۔ جب ہم اس کائنات کا بہت گہرائی سے مطالعہ کریں تو ہمیں ہر طرف ایک ہی چیز دکھائی دیتی ہے یہ صرف ایک چیز کیا ہے جو کہ سب سے زیادہ بنیادی ہے اس کو ہمیں سمجھنا اور پرکھنا ہے۔ اگر وہ ایک چیز ہے تو پھر یہ لاتعداد چیزیں کیا ہیں اور کیوں ہیں؟ ان سب کا مطالعہ ہمیں کمیونزم ہی کی طرف لے جاتا ہے۔ کہ اس ساری کائنات میں کمیونسٹ نظام جاری و ساری ہے کوئی بھی شے یا چیز کسی دوسری چیز سے نہ تو الگ ہے اور نہ ہی یہ انفرادی ہے۔ ساری کائنات اور اس کے اندر موجود ہر ذرہ ایک ربط ایک تعاون ایک ترتیب اور قرینہ کے ساتھ آراستہ ہے۔ کائنات کی اتھاہ بلندیوں سے لے کر ذرات کی اتھاہ گہرائیوں تک ہر شے قوانین فطرت کے تابع ہے۔ ایک ہی طرح کے حالات کے اندر ایک ہی طرح کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ یہ اشیاء کیا ہیں؟ ان کی خوبیاں کیا ہیں؟ ان کے آپس کے رشتے کیا ہیں؟ ان رشتوں سے پیدا شدہ توازن کیا ہے؟ یہ آپس میں مختلف کیوں ہیں؟ ان کے اختلاف کے مابین یہ کیسا ایکہ اور یگانگت ہے؟ یہ انسان کیا کہتا ہے کہ میں کائنات کو مسخر کر رہا ہوں اور کیا یہ کہتا ہے کہ میں اشرف المخلوقات ہوں اور پھر یہ "میں" کیا ہے کہ میں ہوں؟ ان سب باتوں کا جواب ریاضی میں ہے حساب میں ہے۔ ان کائنات کی ماں ریاضی ہے۔ تمام وجود اور اشکال کی ماں ریاضی ہے، تمام فلسفوں اور سائنس کی ماں ریاضی ہے، مجھے تمہیں اسے سب کو ریاضی نے ہی جنم دیا۔ اس کائنات کو سمجھنے کے لئے ہم ریاضی سے ہی شروع کرتے ہیں۔ تعداد مقدار اور حجم یہ ریاضی کے مختلف نام ہیں لہٰذا ہمارے لئے یہ سمجھنا اشد ضروری ہے کہ خواص اور خوبیاں کیا ہوتی ہیں؟ یہ کیسے پیدا ہوتی ہیں اور اس کے بعد ہمیں ایٹم کی دنیا کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور پھر تضادات کیا ہوتے ہیں؟ ایٹم کی دنیا کا باسی بنے بغیر ہمارے

بنیادی مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

اگر ہم اپنے ارد گرد کی دنیا کو دیکھیں تو ہمارا مختلف اشیاء کے ساتھ تعارف ہوتا ہے۔ پہاڑ، دریا، ہوا اور روٹی، پانی، میز، کرسی، بستر، چادر، قلم، دوات، انسان بچہ، عورت، مرد اور بوڑھا۔ ہر شے کو ہم پہچانتے ہیں کہ درخت ایسا ہوتا ہے۔ اس کا ایک تنا ہے پتے اور جڑیں یہ پھل دیتا ہے اسی طرح ہر چیز کی خاصیتوں سے اور خوبیوں کے حوالے سے ہم اسے پہچانتے ہیں۔ میں یہ کیوں کہتا ہوں کہ یہ قلم ہے کیونکہ اس کی ایک نب ہے اس میں سیاہی ہے اور یہ لکھنے کے کام آتا ہے۔ کسی چیز کی خوبی یا خاصیت اس کے مختلف پہلوؤں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے سے کہ اس کی اندرونی فطرت کی وضاحت ہوتی ہے۔ خوبیوں یا اوصاف کا مطلب صرف اتنا ہے کہ یہ شے یا چیز دوسری چیز کے ساتھ کیا برتاؤ رکھتی ہے چیزیں اشیاء اور مظاہر فطرت کی سیرت اور اس کی طاقت کا اظہار بھی خوبیوں کے ذریعے جدوجہد سے ہوتا ہے اور خصلت کی عکاسی صرف خواص اور خوبیوں سے ہی ہوتی ہے۔ بلکہ ان کے تعدادی اور مقدار کے پہلو سے ایک بولی ہے ایک زبان ہے ایک سمجھ آپس کی سمجھ ہے۔

بعض خوبیاں یا رشتے انسانی منطق اور ادراک کے میدان میں آتے ہیں لیکن لاتعداد اثرات اور رشتے ایسے ہیں جو ادراک کی سطح سے بہت بلند یا گہرے ہوتے ہیں اور انسانی منطق ان کا احساس نہیں کر سکتا لیکن یہ اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم صرف اشیاء کی سیرت خوبی کو جاننے کے ہی خواہش مند نہیں ہوتے ہم یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ اس چیز کا حجم کیا ہے یہ کتنی بڑی ہے یہ کس تعداد میں ہے اور اس کے تعدادی پہلو کون کون سے ہیں۔ کیونکہ مظاہر قدرت جس طرح قطعی اور واضح اوصاف اور خوبیاں اور خصلت رکھتے ہیں اسی طرح وہ ایک قطعی تعداد بھی رکھتے ہیں۔ جس طرح ہر گھر میں کمروں کی تعداد ہوتی ہے ویسے ہی ہر کیمیائی عنصر اپنے ایٹم کا ایک خاص اور قطعی وزن رکھتا ہے اور ہر ایٹم کے اندر الیکٹرانس کی تعداد بھی قطعی ہے۔ اگر آپ یہ پتہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس ریلوے سٹیشن پر کتنے انجن کھڑے ہیں تو یہ 8- 10- 12 یا 20 ہوں گے لیکن اگر آپ گندم کی پیداوار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوچھیں گے تو تعداد منوں اور ٹنوں میں شروع ہو جائے گی۔ اشیاء یا مظاہر فطرت کی مقدار کا اظہار تعداد، حجم اور ناپ سے ہوتا ہے۔

ہمیں اس بات کا علم ہے کہ جب کسی چیز کی خوبیاں اور اوصاف بدل جاتے ہیں تو یہ اس چیز کی ہی تبدیلی ہوتی ہے۔ اب ہمارے لئے یہ ایک اہم سوال ہے کیا اوصاف اور خوبیوں کی تبدیلی چیز کو تبدیل کر دیتی ہے؟ جن لوگوں نے ڈیم کو بنتا دیکھا ہو وہ آپ کو بتلائیں گے کہ جب پتھروں کا انبار دریا کے پانی کے بہاؤ میں پھینکا جاتا ہے تو ابھی تک ڈیم نہیں ہے۔ جب پتھروں کا دوسرا تیسرا چوتھا انبار پھینکا جاتا ہے تب بھی کوئی ڈیم نہیں ہوتا لیکن جب لاتعداد پتھر دریا میں پھینک دیئے جاتے ہیں تو پانی کے بہاؤ میں ایک بنیادی تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے چند اور پتھر اب دریا پر بندھ لگ گیا۔ علیحدہ علیحدہ پتھروں سے دریا پر بندھ تعمیر ہو گیا۔

اب ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ یہ کیا ہوا؟ جب ایک خاص حد کے اندر اندر پتھروں کی تعداد کو پھینکا گیا تو خوبیوں اور وصف کی خاص تبدیلی محسوس نہیں ہوئی اور نہ ہی نظر آئی لیکن جونہی پتھروں کے انبار ایک خاص معینہ حد سے زیادہ تعداد میں پھینکے گئے تو اسی تبدیلی نے نئے وصف اور نئی خوبیوں کو جنم دیا۔ فلسفہ کے نزدیک تمام اشیاء اور مظاہر قدرت خاص خوبیاں اور صفات رکھتے ہیں جو کہ معینہ تعداد کے ساتھ متعین ہے۔ اسی طرح ایٹم کی دنیا ہے۔ ہر چیز کا ایک پیمانہ ہے اور ہر چیز کی ایک حد۔ یہ پیمانہ اور یہ حد اشیاء کے اوصاف خوبیاں خصلت اور تعداد کے مابین ایک اتحاد اتفاق ایک زبان ایک لین دین مشابہت مطابقت یکسانیت ہم آہنگ بناوٹ یکساں ترتیب ایک دوسرے کی تصدیق و توثیق کا نام ہے۔ ہر چیز کی خصلت اور وصف کا پیمانہ ضروری طور پر اس کی تعداد کے ساتھ یکسانیت اور ہم آہنگ بناوٹ رکھتا ہے۔ لہٰذا وصف خوبی خصلت اور تعداد ایک دوسرے پر منحصر ہیں اور کوئی ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے کہ تمام اشیاء اور مظاہر فطرت کا ایک پیمانہ ہے اس پیمانے کے اوپر کی حد اور نیچے کی حد کے درمیان اگر تعداد کی تبدیلی ہو رہی ہو تو پیمانے کی ان حدوں کے درمیان یہ تعدادی تبدیلی اس شے یا چیز کے

وصف یا خوبی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ تعداد کی یہ تبدیلی ان حدوں کے درمیان کوئی قابل غور اثر نہیں چھوڑتی ہے لیکن جونہی اشیاء کے پیمانے کی حد تعداد کی تبدیلی پار کر لیتی ہے اسے پھلانگ لیتی ہے تو یہ وصف خوبیوں صفات اور خصلت کی تبدیلی میں رونما ہو جاتی ہے۔ تب بڑھتی ہوئی تعداد نئے وصف نئی خوبی اور نئی خصلت میں بدل جاتی ہے۔ مثال کے طور پر پانی کو جب ہم گرم کرتے ہیں تو اس کے درجہ حرارت کی تعداد بڑھتی ہے یہ ایک تعدادی تبدیلی ہے۔ 50، 60، 70، 80، 90، 99 درجہ سنٹی گریڈ تک پانی، پانی ہی رہتا ہے۔ کیونکہ پانی کے پیمانے کی اوپری والی حد 100 درجہ سنٹی گریڈ ہے۔ نانوے ڈگری تک پانی کے وصف اور خصلت کی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی ہے کہ پانی حیثیت پانی نہ رہے۔ لیکن اب صرف ایک درجہ سنٹی گریڈ بڑھنے پر یہ درجہ حرارت کی تعداد کی بڑھتی ہوئی تبدیلی پانی کی ہیئت کے پیمانے کی اوپر والی حد کو پھلانگ لیتا ہے۔ پانی ابلنا شروع ہو جاتا ہے اور بھاپ میں بدل جاتا ہے۔ جمع شدہ تعدادی تبدیلی نتیجتاً نئی خوبی وصف اور خصلت کو جنم دیتی ہے۔ پانی بھاپ بن گیا۔ تعدادی تبدیلیوں کا وصف خوبی اور خصلت میں بدلنے کے قانون کا نچوڑ اور بنیاد کا مرکز اور انحصار یہ ہے کہ شروع شروع میں تعدادی تبدیلی قابل غور نہیں ہوتی لیکن جب یہ جمع ہو کر خاص حد سے اوپر چلی جاتی ہے۔ تو پھر بنیادی وصف اور خصلت کی تبدیلی کو جنم دیتی ہے جس سے کہ اشیاء اور مظاہر فطرت کی پرانی خوبیاں غائب ہو جاتی ہیں اور نئی خوبیاں اور وصف پیدا ہو جاتے ہیں جو کہ پھر مزید تعدادی تبدیلی کے لئے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ وہ مقام جہاں سے وصف اور خوبی یا خصلت کی تبدیلی رونما ہوتی ہے اسے جست کہتے ہیں۔ یہ اس وصف کی تبدیلی انسانی سماج اور معاشرے میں بھی ہوتی ہے۔ پرانے اجتماعی نظام سے غلامی کی جانب پھر غلامی سے جاگیرداری اور پھر سرمایہ داری کے بعد سوشلزم کی طرف یہ انسانی سماجی تاریخ کا ارتقاء ہے۔ لہٰذا تعدادی تبدیلی نئے وصف اور خوبی میں جست کے ذریعے بدلتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

لہٰذا کائنات میں اشیاء اور مظاہر فطرت کی نشوونما اور ارتقاء دو مراحل اور منازل سے گذرتا ہے جو کہ مختلف شکل اور ہیئت رکھتے ہیں۔ ایک مرحلہ ناقابل فہم ناقابل ادراک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آہستہ آہستہ ہلکا ست تعدادی تبدیلیوں کا ہوتا ہے اور دوسرا مرحلہ یا منزل بہت تند، تیز اور جلد بنیادی وصف اور خصلت کی تبدیلیوں کا ہوتا ہے۔ ست رفتار اور آہستہ تعدادی تبدیلیاں ہمیشہ پرانے اوصاف خصلتوں، خوبیوں اور پرانے پیمانے کی حدوں کے درمیان ہوتی ہیں۔ یہ ست رفتار آہستہ آہستہ ہونے والی تعدادی تبدیلیوں کو ہم ارتقاء بھی کہہ سکتے ہیں۔ ارتقاء ہمیشہ پرسکون درجہ درجہ ست آہستہ نشوونماء کا نام ہے اس میں اچانک جست اور دھچکے نہیں ہوتے اور اس میں پرانی خوبیاں اور وصف نہیں بدلتے بلکہ قائم رہتے ہیں۔ اور ایسی نشوونماء جو پرانے ڈھانچے کی بنیادوں کو اکھاڑ دے نئے وصف اور نئی تبدیلیاں پیدا کرے انتہائی تیز رفتار جست اور دھچکے سے بھرپور انتہائی تند و تیز اور اچانک ان خواص اور خصلت کی تبدیلیوں کو انقلاب کہتے ہیں۔ تعداد کی تبدیلی نے ہی ارتقاء اور انقلاب کو پیدا کیا ہے۔ یہ تعداد ان گنت لاکھوں کروڑوں شکلوں کو کس طرح پیدا کرتی ہے اس کے لئے ہم ایٹم کی دنیا کا سفر کرتے ہیں۔

ڈیمو کرائٹس نے سب سے پہلے ایٹم کے بارے میں بتلایا۔ ڈیمو کرائٹس نے کہا کہ ایٹم اس کائنات کی اکائی ہے۔ یہ اکائی کی وہ اینٹ ہے جس سے کہ ساری کائنات بنی ایٹم یونانی زبان کے لفظ ایٹموس سے لیا گیا جس کے معنی ہیں کہ جسے مزید تقسیم نہ کیا جا سکے۔ انتہائی طاقتور مرکز برقی قوتیں ایٹم کے مرکز میں موجود ہیں۔ دنیا کی ہر چیز چٹانیں پانی ہیرے گوشت پوست ہڈیاں دماغ پتے لکڑی حتیٰ کہ خوشبو بھی وغیرہ وغیرہ ایٹم سے مل کر بنے ہیں۔ تمام اقسام کے ایٹم جن کی تعداد سو ہے ایک ہی قسم کے بنیادی چھوٹے ذرات سے مل کر بنتے ہیں۔ ایٹم کی مختلف قسمیں مختلف عناصر کو جنم دیتی ہیں اور یہ اختلافات ایٹم کے اندر چھوٹے چھوٹے ذرات کی مختلف تعداد کی وجہ سے ہے۔ اگر ہم ایٹم کے ڈھانچے کا مطالعہ کریں تو اس میں مزید مثبت اور منفی بار رکھنے والے ذرات ہیں مثبت بار رکھنے والے ذرات کو پروٹان کہتے ہیں۔ جن پر کوئی بار نہیں وہ نیوٹران کہلاتے ہیں اور جن پر منفی برقی بار ہے انہیں الیکٹران کہا جاتا ہے اور عنصر کی تعریف ہے اس پر خواہ کتنے ہی کیمیائی عمل کیوں نہ کئے جائیں یہ اور سادہ اجزاء میں نہیں بدل سکتا۔ ہائیڈروجن کے ایٹم کے اندر

ایک الیکٹران اور ایک پروٹان ہے۔ ہیلیئم میں دو الیکٹران دو پروٹان اور دو نیوٹران ہیں۔ چاندی کے اندر 47 پروٹان ہیں۔ 8 پروٹان مل کر آکسیجن بناتے ہیں اگر پروٹان کی تعداد 26 ہو جائے تو یہ لوہا بن جاتا ہے اور اگر ان پروٹان کی تعداد 79 کر دی جائے تو یہ سونا بن جاتا ہے اور اگر ان کی تعداد 92 ہو جائے تو یہ یورینیم بن جاتا ہے۔ اس طرح تمام عناصر اور کائنات کی تمام اشیاء ایٹموں کے اندر پروٹان، نیوٹران اور الیکٹران کی مختلف تعداد اور پھر ایٹموں کی مختلف تعداد میں ان کے ملاپ سے بنتی ہے ایٹموں کے مختلف امتزاج اور ملاپ سے پندرہ لاکھ مرکبات بنتے ہیں۔ ہر چیز کی بنیاد ایک ہی ہے۔ حتیٰ کہ ایٹم بھی ایک ہی قسم کے ذرات سے مل کر بنا ہے۔ مختلف خوبیاں، شکلیں اور صفات صرف ایٹم کے اندر ذرات کی مختلف تعداد کی وجہ سے ہے۔ سونا تانبا آکسیجن ہائیڈروجن کاربن یہ سب عنصر ہیں۔ ہم کسی بھی عنصر کی سب سے چھوٹی اکائی کو ایٹم کہتے ہیں۔ کاربن کے ٹکڑے میں سب سے چھوٹا ذرہ کاربن کا ایٹم ہو گا۔ اسی طرح لوہے کے ٹکڑے میں لوہے کا ایٹم ہو گا۔ چونکہ ایٹم آزاد حالت میں اکیلا نہیں رہ سکتا اس لئے وہ دوسرے ایٹم سے مل کر مالیکیول یا سالمہ بناتا ہے۔ اگر ہم مالیکیول یا سالمہ کو کیمیائی عمل کے ذریعے ایٹموں میں توڑ دیں تو یہ ایٹم چونکہ آزاد حالت میں نہیں رہ سکتے اس لئے یہ نئے ایٹموں کے ساتھ مل کر نئے امتزاج میں نئے مرکبات کے مالیکیول بناتا ہے۔ مثال کے طور پر ہائیڈروجن ایک عنصر ہے اور آکسیجن ایک دوسرا عنصر ہے ہائیڈروجن کے دو ایٹم مل کر اور آکسیجن کا ایک ایٹم مل کر H_2O یعنی کہ پانی جو کہ مرکب اس کا مالیکیول بنا دیتا ہے۔ ایٹم وہ چھوٹی سے چھوٹی اکائی ہے جس کو کہ مزید تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ ایٹم کو مزید تقسیم کریں تو مادہ اپنی شکل بدل لیتا ہے اور یہ توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

ہر ایٹم کا ایک ہی قسم کا بنیادی ڈھانچہ ہے۔ پروٹان اور نیوٹران ایٹم کے ڈھانچے کے اندرونی ذرات ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا وزن تقریباً منفی برقی چارج رکھنے والے الیکٹران سے دو ہزار گنا زیادہ ہوتا ہے اور الیکٹران بہت ہلکے ہوتے ہیں۔ ایٹم کے ڈھانچے کے اندرونی ذرات پروٹان اور نیوٹران آپس میں برقی بار کے ذریعے مضبوطی کے ساتھ بندھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں جو کہ ایٹم کا مرکز کہلاتے ہیں اور مرکز سے دور ہلکے الیکٹرانس منفی برقی بار رکھنے والے ذرات ہوتے ہیں اور یہ ہر وقت حرکت میں ہوتے ہیں اور یہ مرکز کے گرد اسی طرح گھومتے ہیں جیسے کہ سورج کے گرد زمین اور مختلف کرے گھومتے ہیں لیکن ان کے مدار نسبتاً معینہ اور مخصوص نہیں ہوتے ہیں اس لئے یہ ایک قسم کا گھومتے چکر لگاتے بادل یا خول کی طرح ہوتے ہیں۔ ایٹم کا وزن اس کے مرکز کا وزن ہی کہلاتا ہے۔ منفی چارج الیکٹران کی تعداد اتنی ہوتی ہے جس سے کہ مثبت برقی چارج رکھنے والے پروٹان ایک دوسرے کے تضاد میں برابر ہو جائیں اور یہ منفی اور مثبت چارج کا توازن ایک دوسرے کو بے اثر کر دیتا ہے۔ اس طرح ایٹم بحیثیت مجموعی کوئی برقی چارج نہیں رکھتا ہے۔ ایٹم کے ڈھانچے کے اندر کے ذرات کی تعداد اور ترتیب نسبتاً ایک مستقل کیفیت ہوتی ہے جو کہ عناصر کی فطرت اور بناوٹ کا تعین کرتی ہے۔ ایٹم کے ٹوٹنے سے اس کا بنیادی ڈھانچہ ختم ہوتا ہے اور یہ بے پناہ توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مادہ توانائی میں تبدیل ہو سکتا ہے اور توانائی مادہ ہی کی ایک شکل ہے اور پھر دوبارہ توانائی مادہ کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ جس سے کہ ایک قسم کا ایٹم دوسری قسم کے ایٹم میں بدل سکتا ہے۔ ایٹم کے مرکز کا محیط بہت کم ہوتا ہے۔ ایٹم کا پورا محیط مرکز سے دس ہزار گنا زیادہ پھیلاؤ میں ہوتا ہے۔ ایٹم کا اوپری حصہ ایک خالی حصہ کی طرح ہوتا ہے جس میں کہ کیمیائی عمل سے دوسرے عناصر یا دوسرے ایٹم کے الیکٹران کا عمل دخل ہوتا ہے۔ مگر ایٹم کا مرکز بہت مضبوط ہوتا ہے اور یہ ایک قلعہ کی مانند ہوتا ہے اور کسی بیرونی حملہ یا مداخلت کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ ایٹم کی فطرت بدلنے کے لئے اس کے مرکز پر حملہ اور اس کی توڑ پھوڑ ضروری ہے۔

سب سے وزنی ایٹم یورنیم ہے جس کا ایٹمی وزن 238 ہے اس کے مرکز کا برقی چارج اور ایٹمی نمبر 92 ہے جب یہ 12 یونٹ کا ماس کم کرتا ہے تو تبدیلی کے پیش نظر یہ ریڈیم بنتا ہے جس کا ماس 226 ہے اور مرکز کا برقی چارج 88 ریڈیم الفا ذرات کے کھو جانے سے راڈان گیس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر تبدیلیوں کی زنجیر کے ذریعے یہ ریڈیم جی میں تبدیل ہوتا ہے اور ریڈیم جی سیسہ کی ایک قسم ہے۔ جو کہ ماس 206 اور مرکز کا برقی چارج 82 بنتا

ہے جبکہ سیسہ کا ایٹمی نمبر 82 ہے اور ایٹمی وزن 207.2 ہے۔ تمام عناصر کے ایٹم کے ڈھانچے کے اندر ایک ہی طرح کے بنیادی ذرات موجود ہیں ان عناصر میں فرق صرف اور صرف پروٹان اور نیوٹران کی تعداد کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا تمام عناصر دوسرے عناصر میں تبدیل ہو سکتے ہیں اگر ان کے مرکز کے اندر نیوٹران اور پروٹان کی تعداد بدل دی جائے تو سونا لوہا چاندی غرضیکہ تمام عناصر ایک دوسرے میں بدل سکتے ہیں۔ ایٹم کے اندر ایک ہی قسم کے ذرات ہوتے ہیں۔ ان ذرات نے مختلف تعداد کی وجہ سے لاتعداد روپ دھار لئے ایسا کیوں؟ اگر آپ ایک خالی نقطہ کاغذ پر لگائیں تو یہ نقطہ ایک چھوٹا سا دائرہ بھی ہے اور یہ دائرہ اپنی ہمہ گیریت کے ساتھ ساتھ ایک تضاد بھی ہے۔ یہ کہ اس نقطہ یا دائرہ کا ایک مرکز ہے اور ایک محیط بھی مرکز اور محیط کا ایک تضاد ہے محیط کے اندر کی جگہ اور محیط کے باہر کی جگہ ایک دوسرا تضاد۔ اس نقطہ سے بڑے دائروں اور دوسری شکلوں کے مابین تضاد نقطہ کی چاروں سمتیں ایک تضاد اگر مزید نقطے ایک لائن میں لگائیں تو اختلاف واضح ہو جائے گا۔ ایک اور دو کا تضاد وقت اور جگہ کا تضاد ایک لائن ایک ہمہ گیریت ہے لیکن اس کے ساتھ چونکہ یہ دو مختلف سمتوں میں بڑھ رہی ہے ان دو سمتوں کا تضاد بھی ہو گا۔ آپ زمین پر چلیں سطح ہموار ہے اچانک زمین نیچی ہو گئی یا اونچی ہو گئی تضاد پیدا ہو گیا اونچ اور نیچ کا تضاد یہ ایک ہمہ گیریت بھی ہے کہ زمین کا زمین کے ساتھ ایک ربط ہے لیکن بیک وقت یہ اونچ اور نیچ کا تضاد بھی ہے اور پھر ہر تضاد اگر حد سے بڑھ جائے تو یہ جنگ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

جب درجہ حرارت ایک حد سے بڑھ جائے تو شعلہ دیتا ہے لیکن چھوٹے سے چھوٹا تضاد بھی ایک اختلاف ہے۔ زمان و مکان وقت اور جگہ حدت و شدت اس میں لاتعداد رنگ اندھیرا روشنی لاتعداد زاویے اور سمتیں اور فاصلے ان کی ضرورتیں ان کے مابین رشتے توازن کے تحت ایٹموں کی مختلف تعداد کا اتحاد اتفاق یا اختلاف جس سے مختلف شکلیں اور امتزاج پیدا ہوتے ہیں اور ان کی مختلف خوبیاں خاصیتیں اور عادتیں بھی اسی وجہ سے ہیں۔ الیکٹرانس کی اس مختلف تعداد کی وجہ سے جو اوصاف صفات اور خوبیاں پیدا ہوتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں وہ اس کے مادی ڈھانچے اور بناوٹ پر بنیاد رکھتا ہے جو کہ اس کی فطرت کہلاتا ہے۔ الیکٹرانس کی تعداد کا تعین اور ترتیب بھی آزاد نہیں ہے۔ یہ ترتیب زمان و مکان فاصلے گرمی سردی کی شدت علاقائی اثرات ضرورت توازن اس کے علاوہ لاتعداد اسباب جس میں ساری کائنات کے مختلف اجسام کے پیغامات ان کی طاقتیں اور ضرورتیں شامل ہیں ان سب اثرات کے تحت یہ ترتیب عمل میں آتی ہے۔

انسانی زبان کی ایک سطح ہے۔ اس کائنات میں ان گنت اجسام ہیں ان اجسام کے مابین لاتعداد پیغام رسانی کے عمل ہیں یعنی یہ بھی ان گنت زبانیں ہیں تو اس کائناتی توازن کی ضرورت کے تابع ایٹم کے اندر پروٹان کی تعداد بنتی ہے اور یہی اس کی فطرت کہلاتی ہے اور یہی رشتوں کی بنیاد ہے۔ ایک جسم مختلف اشیاء کے ساتھ مختلف طریق سے ہمکلام ہوتا ہے اور مختلف برتاؤ رکھتا ہے۔ مثلاً آگ کا عمل اس کا پانی کے ساتھ ایک برتاؤ ہے اور پٹرول کے ساتھ دوسرا اور یہی رشتوں کی بنیاد ہے۔ کسی بھی شے کی فطرت کائنات کے ڈسپلن کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ ان اصولوں اور قوانین کی تابعداری اور فرمانبرداری ہے۔ اس سے ہی اس کا ڈھانچہ اور عادت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ایٹم کے اندر الیکٹرانس کی ترتیب ایک خاص قوت طاقت اور ضرورت کے پیش نظر عمل میں آتی ہے۔ اس قوت کا تعلق ایٹم کی باہر کی دنیا سے ہوتا ہے۔ اس بناوٹ کا تعلق ساری کائنات کے اندر مختلف طاقتوں کے درمیان ٹکراؤ کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ کائنات میں طاقتیں اور قوتیں تین اقسام کی ہیں۔ ایک وہ قوت ہے جس کو کہ ہم دعویٰ (THESIS) کہہ سکتے ہیں دوسری قوت جواب دعویٰ ہے (جواب دعویٰ ہے ANTITHESIS) یہ دونوں سادہ قوتیں ہیں اور قریب کی اشیاء پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سی قوتیں دعویٰ اور جواب دعویٰ کی صورت میں آپس میں ہی برسرپیکار ہو جاتی ہیں۔ لاتعداد قوتوں کے آپس کے ٹکراؤ کے بعد منفی مثبت تقسیم ضرب سب کچھ کر کے ایک نتیجہ قوت SYNTHESIS ابھرتی ہے۔ اور یہ ایک ہی قوت ہوتی ہے جو کہ پھر بڑے دائرے میں یا کائنات کی وسعتوں میں اسی طرح کی دوسری لاتعداد قوتوں کے جھگڑے کے بعد ایک نتیجہ قوت SYNTHESIS بن کر اپنا سفر شروع کرتی

ہے۔ پھر یہ بہت سی نتیجہ قوتیں آپس میں جھگڑتی ہیں اور اس جھگڑے سے اس سے بڑے دائرے کی مرکب نتیجہ قوت رونما ہوتی ہے۔ اسی طرح کائنات میں قوتوں کا منقسم ہونا اور قوتوں کا قوت واحد میں جمع ہونے کا ایک لامتناہی سلسلہ ایک جال کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ قوتوں کے ٹکراؤ کے بعد ایک قوت واحد کی شکل کا اختیار کرنا فیصلہ کن فیصلے اور حکم صادر کر کے مطلوبہ نتائج اور عمل نکال لیتا ہے۔ کوئی بھی تبدیلی کوئی بھی عمل اس فیصلہ کن قوت کے ذریعہ سے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہر چیز کی قوت ہی اس کی خاصیت یا خاصیتوں کا امتزاج ہے جو کہ دوسری تمام اشیاء کی خوبیوں کے ساتھ یا تو دوستی یا جنگ کے رشتے میں منسلک ہے۔ زمین کے اندر اور سطح زمین پر لامتناہی تضادات کے ٹکراؤ ہیں پھر زمین سورج چاند یا دوسرے کرے بحیثیت مجموعی ایک انتہائی طاقت ور متحد پیغام یا حکم یا اپنے مفاد کی حفاظت کی ایک قوت کو کائنات میں بھیجتا ہے جو کہ کائنات کے بڑے دائروں میں کروں کے مفادات اور قوتوں کے ساتھ برسرپیکار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز حرکت میں ہے اور خوب سے خوب تر کی جستجو میں سرگرداں ہے۔ لامتناہی چیزوں کی دوستی اور جنگ نے اس کائنات کے اندر ایک تبدیلی پیدا کرنے کی تحریک دی ہے۔ نئے امتزاج تبدیلی کو جنم دیتے ہیں جو کہ پہلے سے بہتر موافقت کے سازگار حالات دیتا ہے۔ اجسام اور اعمال کے مابین تضادات کے ٹکراؤ سے جو نشوونما اور تبدیلی جنم لیتی ہے اسے فہم جدلیات DIALECTICS کہتے ہیں۔ تمام اجسام توڑنے کی ضرب اپنا اپنا اظہار کرتے ہیں اور اپنی اپنی سلطنت کو وسعت دینے میں کوشاں و سرگرداں ہیں۔ جہاں ہر ذرہ اپنے وجود کی بقاء کے لئے ایک جنگ لڑ رہا ہے۔ لاکھوں کروڑوں اربوں کرے، ان گنت لامتناہی ذرات، ایٹم اور ان کی تعداد اشکال، تانے بانے، امتزاج اپنے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے اپنے اپنے حقوق کی جنگ میں لگے ہوئے ہیں۔ کائنات کے توازن کائنات کے حکم نے ان کو ان کے حقوق کا شعور اور قوت عطا کی ہے۔ ان کے جسموں کو تراشا ہے۔ اربوں میل دور سے آنے والی توانائی نے مادہ کی شکل اختیار کی الیکٹرانس کی ترتیب نے اس کو واضح وجود کی شکل اور خاصیتوں اور قوتوں کے ہتھیار سے اسے مسلح کر کے ایک دوسرے سے برسرپیکار کر دیا کہ نتیجہ پھر توازن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی کی صورت نکلے۔

لہٰذا الیکٹرانس پروٹونس اور نیوٹرانس کی ترتیب اور تعداد سے ہی مادی وجود اور بیک وقت اس کی خاصیت اور فطرت جنم لیتی ہے۔ مختلف وجود اور مختلف ہستیوں کا مطلب ہی ان کی اپنی بنیادی فطرت سے پیدا شدہ قوتیں ہیں اور جو حالات ان کو گھیرے ہوئے ہیں ان حالات کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اشیاء حالات ہی کی پیداوار ہیں اور پھر اشیاء حالات پیدا کرتی ہیں۔ آئین سٹائن کا نظریہ اضافیت THEORY OF RELATIVITY نے سائنس کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اشیاء اور حالات بھی یہاں منطبق ایک، دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ جہاں وقت جگہ زماں، مکاں بھی مادہ سے علیحدہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہمہ گیریت ہے اور زماں مکاں کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ اسی طرح مکاں، زماں کے کے بغیر بے معنی ہے۔ آئین سٹائن کے نظریہ اضافیت نے تجربات کے ذریعے ہمیں بتلایا ہے کہ مکاں (SPACE) مستقل اور ایک نہ ہے۔ مکاں SPACE کی خاصیتیں بدلتی ہیں اور اس تبدیلی کا انحصار حرکت کرتے ہوئے مادہ پر ہے۔ مثال کے طور پر تجربہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ جسم کی لمبائی اس کی رفتار تیز ہونے سے گھٹ جاتی ہے۔ کائنات میں معین پیمانے کی اکائی موجود نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک گاڑی روشنی کی رفتار کے قریب قریب تیزی سے سفر کرے ہم سوچیں گے کہ پلیٹ فارم پر کھڑے انسان اور گاڑی میں بیٹھے ڈرائیور کے لئے پلیٹ فارم یا گاڑی کی لمبائی ایک ہی ہو گی لیکن ایسا نہیں ہے۔ اضافیت کے حساب نے بتلایا ہے کہ یہ ایسا نہیں ہے بلکہ انجن ڈرائیور کے لئے پلیٹ فارم کی لمبائی کم ہو جائے گی اور پلیٹ فارم پر کھڑے انسان کے لئے گاڑی کی لمبائی کم ہو گی۔ یہ کوئی نظر کا دھوکا نہیں بلکہ یہ ایک معروضی حقیقت ہے کہ مکان ایک اضافی چیز ہے (SPACE IS RELATIVE) اور یہی بات وقت کے متعلق بھی ہے کہ جوں جوں مادہ کی رفتار تیز ہوتی ہے وقت کی رفتار آہستہ ہو جاتی ہے۔ وقت طاقت ور قوت ثقل کے زیر اثر بھی آہستہ ہو جاتا ہے۔ اگر SPACE خلاء میں کوئی خلاء باز خلائی جہاز میں جاتا ہے تو اس خلائی جہاز میں وقت کی رفتار زمین کی بہ نسبت بہت کم ہو گی اور

جب یہ خلاء باز دیر کے بعد زمین پر واپس آئے گا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہو جائے گا کہ اس کا بیٹا اس کی نسبت بہت بوڑھا ہو چکا ہے۔ لہٰذا آئین سٹائن نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ وقت اور خلاء کوئی غیر مشروط کامل اور مطلق نہیں ہیں۔ نیوٹن کے نظریہ کی تردید ہو گئی کیونکہ نیوٹن کے مطابق وقت اور خلاء زمان و مکان تمام کائنات میں یکساں اور غیر تغیر پذیر اور ہمہ گیر ہے۔ دنیا کی ہر چیز ایک خاص مقام کے حوالے سے خاص قسم کی خوبیاں رکھتی ہے اور وقت کے اندر رہتی ہے اور کسی شے کی وجہ زمان و مکان سے باہر نہیں ہے۔ وقت اور خلاء زمان و مکاں اپنی ہیئت کے اعتبار سے اضافی RELATIVE ہیں کیونکہ انکا انحصار مادہ کی حرکت پر ہے۔ مادہ زمان اور مکان MATTER, SPACE AND TIME اپنے اعضاء کے اعتبار سے بنیادی طور پر ساخت کے حوالے سے سرشت اور فطرت کے حوالے سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہ ایک متحدہ اور ایک واحد کائنات ہے جس کی اشیاء اور اجسام اور عوامل ایک دوسرے سے مربوط ہی نہیں بلکہ وہ آپس میں تبدیل شدہ بھی ہیں۔

یہ مادہ کا ایک وجود یا ڈھیر ایک نظام کے ذریعے اس طرح ملا ہوا ہے کہ اس کے اندرونی تضادات کا نتیجہ ایک اکائی کے مفادات کی صورت اپنا اظہار کرتا ہے تو یہ فرد یا جسم ایک کہلاتا ہے۔ اس کا رنگ سرخ ہے۔ یہ وزن رکھتا ہے۔ یہ پانی میں حل ہوتا ہے۔ یہ انسانی خون کے لئے زہریلا ہے۔ اس کا روپیہ آکسیجن یا ہائیڈروجن یا دوسرے اقسام کی مادی قوتوں کے ساتھ یہ یہ ہے۔ ایک دوسری اکائی یہ پھول ہے، نرم و نازک ہے، زیادہ حرارت برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی اتنی زندگی ہے، اس کی پتیوں کی یہ ترتیب ہے۔ انسان اسے پسند کرتے ہیں۔ کیڑے مکوڑے اس کا رس چوستے ہیں۔ یہ فلاں بیماری کا علاج ہے۔ وہ شیر ہے جنگل کا بادشاہ ہے، جانوروں کو کھا جاتا ہے پنجے اور لمبے دانت ہیں۔ گھاس نہیں کھاتا، یہ انسان ہے۔ اس کے دماغ کی ساخت ایسی ہے۔ اس کے خون کا درجہ حرارت یہ ہے۔ یہ زبانیں بولتا ہے۔ ہاتھوں کی پانچ انگلیاں پیچیدہ کام کر سکتی ہیں۔ اتنا قد ہے اتنی عمر ہے۔ یہ چیزیں یہ پسند کرتا ہے اور ان چیزوں کو یہ پسند نہیں کرتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہر شے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی خوبیوں اور خاصیتوں کے حوالے سے ہی پہچانی جاتی ہے اور یہ صفات ہی تمام رشتوں کی بنیاد ہے۔ دوستی اور دشمنی کے رشتے، خطرات حفاظت زندگی اور موت کے رشتے یہ سب خاصیتوں اور خوبیوں کی وجہ سے بنتے ہیں۔

ان حالات میں لاکھوں کروڑوں اربوں ان گنت اپنا اپنا مفاد رکھنے والی اکائیاں مادی اجسام کی صورتیں اپنی اپنی خاصیتوں اور قوتوں کے حوالے سے اور ان کے اس اظہار اور کھچاؤ کے مابین ایک جنگ ایک جدوجہد ایک لڑائی جاری و ساری ہے۔ اس جنگ اس کھچاؤ نے بالاخر سب اجسام کو ایک توازن کی صورت دی۔ جو کہ طاقت کا فاصلے کے ساتھ بھی ایک تناسب بنا اسی طرح ہر سمت اور ہر شعبہ میں اس قوت کے تناسب کے ساتھ ایک حصہ معین ہوا اور مختلف اجسام کو قوت بھی اسی حساب سے ملی جو کہ توازن اور تعاون کے لئے مدد و معاون ہو سکے۔ کسی ایک جسم یا عنصر کو لامتناہی قوت نہ دی گئی۔ جتنی قوت کسی کو ملی اس کے تضاد اور ردعمل میں بھی مساوی قوت قوانین فطرت نے پیدا کر کے ان دونوں کو توازن کی حالت اس کائنات میں چھوڑ دیا۔ معاملات طے ہوئے اشیاء کے عمل کو ایک سلیقہ اور قرینہ دیا گیا۔ یہی سلیقہ یہی قرینہ یہی قاعدہ یہی کلیہ قانون فطرت کہلایا۔ اس قانون کو اشیاء کی ماہیئت اور فطرت کے ذریعہ اس کے رگ ریشے اور اس کے ڈھانچے کی عادت بنا دیا۔ اس قانون نے عین انصاف کر کے حد بندیاں کر دیں۔ بے جا مداخلت ممکن نہیں تھی۔ ایک عنصر دوسرے کی سرزمین میں دخل اندازی نہیں کر سکتا ہے اگر کسی دوسرے عنصر سے دوستی ہے تو مساوی اصول پر اپنا اپنا قیام اور وجود برقرار رکھے ہوئے مرکبات کی صورت بن سکتی ہے۔ ہر مداخلت کی کوشش کو ایک جنگ کے ردعمل کی صورت روک دیا گیا۔

روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ کوئی مادہ اس رفتار سے سفر نہیں کر سکتا یہ قانون ہے۔ لیکن اگر کوئی مادہ اس رفتار کو پہنچے تو وہ اپنی ہیئت بدل لیتا ہے اور وہ روشنی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ حد بندیاں قانون ہی نے دی ہیں۔ اشیاء اور عمل کے مابین ہمہ گیر رشتے کو ہم قانون کہتے ہیں۔ قانون کا انحصار جسم کی بنیادی فطرت اور ماہیئت کے علاوہ اس کی اپنی صفات کی طاقت اور دوسرے اجسام کی فطرت ماہیئت اور خواص

کی طاقت کے مابین ایک ٹکراؤ سے اختیار کئے گئے راستے پر ہے۔ سب اجسام کائنات کی اجتماعی طاقت کے زیر اثر ناگزیر طور پر دیئے گئے راستے کے پابند ہیں۔ یہ لکیر یہ راستہ جو کہ ناگزیر ہے قانون فطرت کہلاتا ہے۔

چاند سورج ستارے ایک دوسرے سے خاص دیئے گئے مستحکم فاصلوں پر متعین راستوں پر سفر کر رہے ہیں۔ یہ فاصلے اور یہ راستے ان کی اپنی اپنی کشش کی قوت کے علاوہ تمام کائنات کی اجتماعی قوتوں کے توازن کا نتیجہ ہیں۔ سورج چاند زمین اور ستاروں کا اس متعین راستے پر چلنا ایک قانون ہے۔ آگ کا جلانا پانی کا ڈھلوان کی طرف بہنا یہ سب قوانین ہیں۔ دنیا کے فلسفے سائنس دلیل اور منطق حساب سے مستعار ہیں۔ وجوہ اور علل کا رشتہ بھی حسابی ہے۔ انڈے کے اندر پیدا ہونے والا چوزہ ارتقاء پذیر کائنات آگے کی طرف نشوونماء کرتی ہوئی اشیاء، سوچتے اور جہد کرتے انسان اور ان کا یہ سماج غرضیکہ کائنات کی ہر چیز، اس تعمیل کے پیچھے، اس انجام کے پیچھے، اس نتیجہ کے پیچھے ایک طاقت ور ہاتھ ہے جسے ہم وجوہات کہتے ہیں، ظہور میں لانے والی کچھ چیزیں ہیں، اس کا موجد ہے، ان کا سبب ہیں جو کہ اس کا باعث اور علت ہے۔ جس نے کہ خاص قوانین کے تابع ان کو ایک خاص سمت دی ہے۔ پھر ان چیزوں کا موجد یا سبب بھی کسی اور سے اس سے پہلی چیز کا نتیجہ تھا اور آج کے نتائج اور انجام آنے والے واقعات کا سبب اور وجوہات ہیں۔ ہمارے ہر سادہ عمل کے پیچھے لامتناہی چھپے ہوئے ان جانے دباؤ اور طاقتیں ہیں جن کے طاقت ور حکم سے ہم آزاد نہیں ہیں۔ اسباب اور نتائج وجوہ اور علل قانون کے ناگزیر راستے کی ایک لمبی زنجیر نے اس پوری کائنات کو باندھ رکھا ہے۔ وجوہ اور علل اسباب اور نتائج کی یہ لامتناہی لمبی زنجیر دھند میں گم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ سائنس تو یہ ثبوت فراہم کرتی ہے کہ انسان کی پیداوار ہی کائنات کی ضرورت تھی اسی ضرورت کی طرح جیسے کہ یہ ذرہ بھی کائنات کی ایک ضرورت ہے۔ کائنات نے ہی انسانی جسم کو تراشا ہے۔ انسان کی پیدائش سے بہت پہلے اربوں سالوں سے یہ کرے ستارے اس کائنات میں گردش کر رہے ہیں۔ کرہ ارض پر اس زمین پر پھر وہ حالات پیدا ہو گئے جس سے کہ زندگی ممکن تھی۔ پروٹان نیوٹران اور الیکٹران کی مختلف تعداد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مختلف ترتیب سے عناصر بنے ایٹم اور عناصر کے امتزاج سے مرکبات پیدا ہوئے۔ نامیاتی ORGANIC مرکبات اور عناصر سے انسانوں کا جسم تشکیل پایا۔ BIOCHEMISTY کا سائینسی علم اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ ایک خلیہ کی زندگی سے شروع ہو کر ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے انسان بنا۔

کائنات نے ہی انسان کو تراشا ہے۔ سورج کی شعاعیں عرصہ دراز سے زمین پر پڑتی رہیں۔ ان شعاعوں کے جواب میں زمین پر ORGANIC MATTERS نے جو کہ زندگی کی جانب زیادہ حساس تھے ایک ردعمل کا اظہار کیا اور پہلی مرتبہ ان سے دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے ان سے ایک رشتہ قائم کر لیا۔ زمین پر زندگی کے لئے بے چین جدوجہد کرتے ہوئے مادے نے سورج کی روشنی کے جواب میں آنکھ بنائی۔ سورج کی روشنی نے بھی دوستی کا دم بھرا اور اپنے ذریعے ہر شے کو منور کر کے علم اور شعور اپنی لہروں میں قید کر کے آنکھ تک پہنچا دیا۔ روشنی کے ذریعے اس دیئے گئے شعور نے عمل اور نتائج کی لامتناہی انگیخت کی ایک لمبی زنجیر کو جنم دیا۔ لہٰذا آنکھ سورج نے بنائی ہے۔ زمین کے اردگرد محیط ہوا کے غلاف نے اپنے آپ کو ہتھوڑے کی ضرب منوایا ہر جگہ اپنے نشانات ثبت کئے اور زندگی کو اپنا تابعدار رکھا۔ زندگی کو یہ جرات اور ہمت نہ تھی کہ وہ ہوا کو ایک لمحہ کے لئے بھی نظرانداز کر سکے۔ ہوا نے اپنے نشانات نہ صرف چٹانوں اور پانیوں پر دیئے بلکہ انسان اور جانوروں کے بنیادی ڈھانچے کو بھی اس نے اپنی شکل دی اور اپنی طاقت کی نسبت سے اپنا حصہ اس میں ڈالا اور انسانی حیوانی زندگی کا انحصار اور دارومدار اپنے ہاتھ میں رکھا۔ ہوا نے آکسیجن نے پیدا ہونے والے خلیات سے کہا کہ تم میرے تعاون کے بغیر زندگی حاصل نہیں کر سکتے۔ زندگی کے بنیادی ڈھانچے کی بناوٹ میں بھی ہوا نے حصہ ڈالا اور زندگی کے عمل میں بھی۔ سانس کا سارا نظام، نظام تنفس، پھیپھڑے خون کا ہیموگلوبن خون کے سرخ ذرات کے اندر اس کی بناوٹ اور عمل، ہوا نے پیدا کیا اور اس کو شکل دی۔ اسی طرح پانی نے اپنا حکم منوایا اور آگ نے اپنا۔ کائنات کی انہی مختلف قوتوں کے توازن اور جنگ کے مابین دوسری لاتعداد اشیاء کی طرح انسان بھی ارتقاء پذیر ہوا۔

قوانین فطرت نے ہی، اشیاء کے آپس کے لین دین نے ہی، اجسام کی عادات نے ہی انسان کو بھی مرتب کیا ہے۔ انسان ہر دوسری شے کی طرح ایک نتیجہ ہے اور انہی چیزوں نے اسے پیدا کیا ہے۔ اگر انسان تمام کائنات سے ہٹ کر ایک تخلیق ہوتا تو پھر یہ قوانین فطرت سے آزاد ہوتا۔ اس کا آکسیجن پر انحصار اور اس کا سانس اس کی زندگی نہیں ہوتا۔ یہ پانی پر مدار نہ رکھتا۔ یہ سورج اور روشنی کو بغیر آنکھوں کے دیکھتا۔ اس کے خیالات کا انحصار اردگرد کے مشاہدات پر نہیں ہوتا بالکل اس کا دماغ شعور اور خیالات کا منبع اور ذریعہ ہوتا۔ اس کی بھوک کو مٹانے کے لئے کسی جسم کو ہلاک نہ کرنا پڑتا، اس کی شکل اور اعضاء کی بناوٹ یکسر بیرونی اثرات سے آزاد ہٹ کر بالکل نئی اور علیحدہ ہوتی اور یہ ہر طرح ہر حالت میں آزاد ہوتا جس کا ثبوت ہمیں میسر نہیں ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کو اس کائنات نے ہی تراشا ہے اور قوانین فطرت کا یہ ایک نمونہ ہے اور اس کے یہ تابع ہے۔ یہ کائنات سے ہٹ کر علیحدہ چیز نہیں ہے بلکہ انہی اعمال کا حصہ ہے جو کہ اس کائنات کے اندر جاری و ساری ہیں۔

بعض پرانے فلسفیوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ بڑے بڑے کرے چاند سورج ستارے بڑے بڑے زندہ افراد ہیں اور ان کے خاندان اس کائنات میں آباد ہیں۔ زمین بھی ان میں سے ایک ہے۔ اس زمین کو جلد کی بیماری SKIN DISEASE ہو گئی۔ زمین کی سطح پر جانور مچھلیاں اور انسان ہم سب اس جلد کی بیماری کے جراثیم ہیں۔ سائنس کی دنیا میں تین قسم کے انکشافات نے سوچ کے میدان میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ پہلی بات قانون بقائے توانائی ہے کہ توانائی کہیں نئے سرے سے پیدا نہیں ہوتی نہ ہی یہ ختم ہوتی ہے یہ اپنی مختلف شکلیں بدلتی ہے حرکت حرارت روشنی یا مادہ سے توانائی۔ دوسرا انکشاف کہ حیوان، انسان اور نباتات ایک زندگی کا نام نہیں بلکہ یہ کروڑوں اربوں چھوٹی چھوٹی زندگیوں کے تعاون سے بنا ہے جنہیں ہم خلیات کہتے ہیں اور جن کے اندر انتہائی پیچیدہ قسم کے عمل جاری و ساری ہیں۔

اجسام اور اعضاء کا برتاؤ خلیات کی بناوٹ پر انحصار کرتا ہے۔ خلیات کا کردار حیوانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی اور نباتاتی جسم پر فیصلہ کن اثرات مرتب کرتا ہے۔ تیسرا انکشاف ارتقاء ہے کہ تمام موجودہ اجسام اور اشکال اسی حالت میں ہمیشہ نہیں تھیں بلکہ یہ ایک تبدیلی اوز نشوونما کا نتیجہ ہیں اور یہ مزید نشوونماء تبدیلی اور ارتقاء کی طرف گامزن ہیں۔ موجودہ اشیاء اور اجسام اسی حالت میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ ایک مستقل تبدیلی اور ارتقاء کا نتیجہ ہیں اور پہلے یہ کچھ اور ہی تھے۔ پوری نسل انسانی کی سوچ کو ان انکشافات نے بدل دیا۔ انسانی جسم بھی مادہ کی ہی ایک شکل ہے لہروں کی صورت انسانی جسم کا بیرونی حالات و واقعات کے ساتھ ایک رابطہ قائم ہے۔

قانون بقائے توانائی، توانائی مختلف اشکال میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ تمام اقسام کی توانائیاں ایٹم ہی کی حرکات کی وجہ سے ہیں۔ رگڑ کے عمل سے حرارت کا پیدا ہونا حرکت کا عمل، روشنی کا عمل الیکٹرو میگنیٹک لہریں برقی اور مقناطیسی قوتیں سب کے سب ایٹم کی حرکت یا ایٹم کے الیکٹرانس کا اپنے دائرے سے نکل کر دوسرے ایٹم کے دائروں میں داخل ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ حرارت کی توانائی مالیکیول کا مادے کے اندر تیز حرکت کرنے کا دوسرا نام ہے۔ ہوائی جہاز بلندی سے ایک پتھر نیچے پھینکے تو یہ پتھر گرتی ہوئی توانائی کا مظہر ہے۔ ہم گھی کھاتے ہیں یہ ہمارے کام کرنے یا بھاگنے کی توانائی میں بدل جاتا ہے۔ لہٰذا توانائی ایک شکل سے دوسری شکل میں بدل جاتی ہے اور اس کی لاتعداد اشکال ہیں اسی کو قانون بقائے توانائی کہتے ہیں کہ توانائی نہ ہی کہیں سے نئی پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی یہ ختم ہوتی ہے یہ صرف اپنی صورت بدل لیتی ہے۔

نیوٹن نے کہا کہ اس کائنات میں ہر ذرہ ہر دوسرے ذرے کو اپنی کمیت (ماس) کے تناسب سے اپنی طرف کشش کرتا ہے اور یہ فاصلے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی ہے اور یہ کمی فاصلہ کے مربع کی نسبت سے ہوتی ہے۔

زمین سے 12000 میل کے فاصلے پر ایک پونڈ وزن صرف ایک اونس رہ جاتا ہے جوں جوں آپ بلندی کی طرف جاتے ہیں وزن کم ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ وزن زمین کی قوت ثقل کی وجہ سے ہے اور مختلف کروں کی کشش کی قوت کی وجہ سے تمام کائنات میں توازن قائم ہے اور پھر اس توازن کیوجہ سے کائنات کے بڑے بڑے کرے

بغیر وزن کے حرکت کر رہے ہیں کائنات میں موصول ہونے والے چھوٹے سے اشارے پر یہ بڑے بڑے کرے ناچتے ہیں۔ ریاضی کی ایک اور قسم جیومیٹری ہے۔ تکون اور مختلف زاویوں کی ترتیب سے کائنات میں بہت سی قوتوں کا تعین ہوتا ہے۔ ہم ریڈیو ویوز اور الیکٹرو میگنیٹک ویوز کے ایک سمندر میں رہتے ہیں۔ تمام کائنات کے ذرات اور اجسام ایک دوسرے سے ہمکلام ہیں اور ایک دوسرے کو پیغام بھیج رہے ہیں اور یہ پیغامات موصول بھی ریاضی اور حساب کے اصولوں سے ہوتے ہیں۔ یہ پوری کائنات ایک بہت بڑا کمپیوٹر ہے۔ انسان بھی اس کائناتی کمپیوٹر کا ایک عکس ہے۔ کمپیوٹر کوئی نہ سمجھنے والا عمل نہیں ہے۔ یہ ریاضی کے اندر مختلف رشتوں کے منطقی ملاپ کو کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر 4 اور 4 کو ضرب دیں تو یہ ایک سے 15 تک کے نمبروں کو پھیلانگتا ہوا نمبر16 کے ساتھ ایک منطقی رشتہ قائم کرے گا اور نمبر16 کو ہی 4 ضرب 4 کا پیغام موصول ہو گا اسی نقطہ پر تمام اعمال اور قوتوں کا ارتکاز یا انعکاس ہو گا۔ اسی طرح تقسیم جمع نفی اور ریاضی کے لاتعداد قاعدوں اور کلیوں کے ذریعے ایک دوسرے سے رشتے موجود ہیں۔ FREQUENCY بھی ریاضی کے ذریعے دوستی کا نام ہے۔ مختلف زاویوں اور جیومیٹری کی مختلف شکلوں کے مابین رشتوں کا وسیع سلسلہ ہے۔ جن پیغامات کے تابع ذرات مل کر بڑے بڑے کرے بن جاتے ہیں اور کرے تقسیم ہو کر ذرات میں تبدیل ہوتے ہیں۔ ذرات توانائی میں تبدیل ہو کر کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پیغامات پہنچاتے اور مادہ کو منتقل کرتے ہیں۔ اس کائنات کی شکست و ریخت اور تعمیر بھی اسی طرح ہے۔ کائنات میں بنے زاویوں تکونوں مربعوں مستطیل اشکال دائرے ریاضی کے کلیے یہ سب میٹامورفوسس(METAMORPHOSIS) کے ذریعہ جادو کا سا اثر چھوڑتے ہیں۔ میٹامورفوسس یعنی کہ ہیئت کی مکمل تبدیلی اس کائنات میں رنگ برنگی شکلیں اجسام افراد کو جنم دیتا ہے۔ ان زاویوں پر اس تعداد میں ان حالات میں اگر یہ یہ قوتیں جمع ہو گئیں تو ایک اعلیٰ درجے کا ظاہراً خود بخود چلنے والا بظاہر خود فیصلہ کرنے والا ایک کمپیوٹر جنم لے گا۔ لیکن یہ کمپیوٹر کہیں نہ کہیں سے لقمہ کھائے گا۔ اس کی مشین میں مسالہ ڈالنا پڑے گا۔ یہ صرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیئے گئے حالات کو مختلف رنگوں میں منعکس کر سکتا ہے۔ صدف جب موتی کو بناتا ہے تو موتی کی بناوٹ کے تمام اجزاء وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے جذب کرتا ہے لیکن صدف کے جسم کی یہ خاصیت ہے کہ وہ سادہ اجزاء کو اس ترتیب اور امتزاج میں ملاتا ہے کہ وہ موتی بن جائے۔ ساری کائنات میں اربوں اقسام کے موتی بن رہے ہیں۔ انسانی سوچ بھی اسی طرح کا ایک موتی ہے۔

ریاضی کے اندر ہی بعض مقامات یا بعض عدد زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ افلاطون کے مطابق عدد 5040 بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ عدد ایک سے دس تک کے ہر ہندسے پر تقسیم ہو سکتا ہے اور یہ 12 پر بھی تقسیم ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ اپنے ڈھانچے اپنے منطقی مقام کی وجہ سے بہتر درجہ صلاحیت اور قابو رکھتا ہے۔ یہ نسبتاً دوسرے اعداد سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اسی سے ملتے جلتے لاتعداد مقامات کی وجہ سے درجات پیدا ہو جاتے ہیں جو کہ تعدادی ریاضی کی فطرت کی وجہ سے اس کا منطقی نتیجہ ہے۔

اسی کمپیوٹر کے اندر ریاضی کے فارمولوں کے ذریعے ہی کائنات میں پیغامات دیئے جاتے ہیں یا وصول ہوتے ہیں اور اشیاء کے معنی سمجھے جاتے ہیں یا پھر یہ معنی ایک خفیہ راز رہتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ معنی صرف اسی جگہ قید یا پابند ہیں یا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ معنی کائناتی ہوتے ہیں اور یہ ہر ایک کو سمجھ آجانے والی چیز ہیں۔ ہر دیکھنے والا ایک ہی چیز یا پیغام کے اپنے اپنے حوالوں سے مختلف معنی نکالتا ہے۔ میرے سامنے چینی زبان میں لکھی ہوئی یہ کتاب ہے۔ اس کے اندر پیغام اور معانی بند ہیں مگر میں ان کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ ایک ریکارڈ ہے اس کے اندر میوزک کی دھنیں قید ہیں مگر میں ان کو نہیں سن سکتا جب تک کہ یہ گراموفون پر نہ چلے۔ دور دراز کروں سے آنے والی شعاعیں اپنے اندر ستاروں کے پیغامات رکھتی ہیں۔ زمین کے اندر چھپے خزانے اور معدنیات ہمیں پیغام دیتی ہیں مگر ہم ان کے مترجم نہیں۔ ان چٹانوں پر ہمان کی عمر لکھی ہے۔ فضا میں پرانے وقتوں کی آوازیں بند ہیں۔ ہمیں صرف اور صرف ایک سطح کا علم میسر ہے ہمارے ڈھانچے ہمارے اعضاء ایک خاص نوعیت کے ہیں۔ ان کی ساخت صرف خاص قسم کے پیغامات وصول کر سکتی ہے۔ اپنی

ساخت میں تبدیلی کے بغیر مختلف سطحوں اور تہوں کے اندر بند علوم کو ہم نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن جہاں کائنات کی ضرورت ہے وہاں ہمارے جسم کے اندر بغیر ہمارے علم کے احکامات اور پیغامات موصول ہوتے ہیں اور درج ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر خلیات کے اندر کروموسومز میں ڈی این اے۔ آر این اے ہیں ان پر درج ہے کہ یہ بڑھتے ہوئے خلیات کو حکم دیں کہ تم یہ شکل اختیار کرو گے اور یہ یہ کام کرو گے۔ ناک کا بایاں نتھنا ویسا ہی ہو گا جیسا دایاں نتھنا، ہونٹ بھی اسی طرح چہرے کا بایاں آدھا اور دایاں آدھا ایک ہی مشابہت یہ کائنات کا حکم ہے ہمارے خلیات کے نام جو کہ ان کے اندر ٹائپ کر دیا گیا ہے اور ایک بین الاکائناتی کمپیوٹر کے ذریعے کنٹرول ہو رہا ہے۔ دل کی حرکت کی رفتار کیا ہو گی۔ دماغ دل کو بتلاتا اور حکم دیتا ہے۔ غدودوں سے رطوبتیں کس مقدار میں خارج ہوں گی۔ یہ بھی دماغ کا حکم ہے۔ معدہ جگر سب کا کام دماغ کے تابع ہے مگر ان سب باتوں کا ہمیں علم نہیں کیونکہ میں صرف میں نہیں ہوں، میں کچھ اور بھی ہوں۔ ذہانت کی قابلیت اور وصف کے بنیادی اور ضروری پہلو یہ سمجھے جاتے ہیں کہ ہم کسی بھی صورتحال کو بڑی لچک کے ساتھ نپٹیں۔ اس کے علاوہ اچھے حالات کو استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ہم مبہم اور تضاد بھرے پیغامات میں سے معنی نکال سکیں۔ ہم حالات و واقعات کے مختلف پہلوؤں کی اہمیت اس کے مابین اس کی نسبت سے پہچان سکیں۔ پھر ہم تضادات اور اختلافات میں ہم آہنگ پہلوؤں کو سمجھنے کے قابل ہوں۔ ہم پرانے خیالات کو نئی ترتیب دے کر نئے منفرد خیالات کو تخلیق کر سکیں۔ ہم ایسے خیالات کو تخلیق کریں جو بالکل نئے ہوں۔ ذہانت کے دو معیار ہیں۔ ایک انفرادی ذہانت ہے اور ایک اجتماعی ذہانت ایک کا تعلق ذاتی مفادات کے حصول سے ہے اور دوسری ذہانت قوانین فطرت کا مشاہدہ کرتی ہوئی کروڑ اور ستاروں کی تقدیر پر نظر رکھتی ہے اور صدیوں پر محیط تاریخی عمل کو دیکھ سکتی ہے۔

کیا واسپ مسخ ذہین ہے کہ جب اس کا انڈے دینے کا وقت آتا ہے تو وہ مٹی کا ایک گھر بنا کر اس میں انڈے دیتا ہے اور پھر اپنے ایک شکار کو جھینگر کو اس طرح ڈنگ مارتا ہے ڈستا ہے کہ وہ شکار کچھ دنوں کے لئے بے ہوش ہو جائے پھر وہ بے ہوش شکار کو اپنے گھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اندر گھسیٹ لیتا ہے اور اپنے انڈوں کے پاس چھوڑ کر اپنے گھر کا منہ مٹی سے بند کر دیتا ہے۔ اس کا ڈسنا اور ڈنگ مارنے کا عمل ایسا ہوتا ہے کہ شکار مرنہ جائے بلکہ صرف بے ہوش ہو تاکہ انڈوں سے بچے نکل کر تازہ تازہ شکار کھا سکیں تو پھر کیا واسپ سفخ ذہین نہیں ہے جو کہ اپنے شکار کو صرف اتنے وقت کے لیئے مفلوج کرتا ہے جتنے وقت میں کہ انڈوں سے اس کے بچے نکل آئیں۔

جب خون میں پانی کی مقدار کم ہو جاتی ہے تو خون منہ میں خشکی اور پیاس کا پیغام بھیجتا ہے۔ یہ پیاس کا پیغام دماغ کو موصول ہوتا ہے۔ دماغ ہمیں پانی پینے کا حکم صادر کرتا ہے۔ کیا خون کا یہ عمل ذہانت ہے۔ بادل جب پانی برسانے کے لئے پیاسی خشک زمین ہی کا رخ کرتے ہیں تو کیا یہ ذہانت ہے۔ برفانی ریچھ کا رنگ سفید ہے تاکہ وہ برف میں پہچانا نہ جا سکے۔ اسی ریچھ کے جسم کے گرد موٹی چربی کی تہہ اسے سردی کی شدت سے بچاتی ہے کیا یہ ذہانت ہے؟ پانی کے اندر دماغ کی نشوونماء زیادہ ہوتی ہے بعض مچھلیاں انسان سے بھی زیادہ ذہین ہیں مگر ان کا بیرونی ماحول سازگار نہیں پیچیدہ کام کرنے والے ہاتھ ان کے پاس نہیں پانی کی وجہ سے بولنے والی زبان نشوونماء نہ پا سکی تو ان ناسازگار حالات میں ان کی ذہانت کس ڈھنگ بیٹھتی ہے۔

کائنات میں ہر جسم کیا بہت ذہانت سے سرگرم عمل نہیں۔ دماغ موجود ہے یا غیر موجود دونوں صورتوں میں اجسام حتیٰ کہ ظاہراً بے جان ذرات بھی اعلیٰ اور ارفع ذہانت کے قوانین کے تابع کام کر رہے ہیں۔ بطخ کا بچہ انڈے سے نکل کر تیرنا شروع کر دیتا ہے جو کہ انسان کا بچہ نہیں کر سکتا۔ تو پھر کیا اس عمل میں بطخ کا بچہ زیادہ ذہین ہے۔ شہد کی مکھی کا چھتہ ذہانت کا شاہکار ہے۔ مکڑی کا جالا اپنا حسن رکھتا ہے مور کے ناچ میں بے پناہ فن چھپا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ذہانت نہیں بلکہ جبلت ہے۔ جبلت اور ذہانت کی حدود کہاں سے علیحدہ ہوتی ہیں کوئی بھی اس کا ادراک نہ کر سکا۔ اس بات کا ہمیں علم نہیں ہے کہ ذہانت کے بغیر مبنی رویے اور ذہانت پر مبنی رویے کے مابین حد کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمیں اس بات کا بھی علم نہیں ہے کہ جان اور بے جان چیزوں کی حد، زندگی اور زندگی

کے بغیر اجسام کی حد کون سی ہے۔ بہر صورت یہ چند سوالات ہیں جن پر کہ غور و فکر کی ضرورت ہے اور یہ انسان کو اس کی اس نیند سے جھنجھوڑ کر جگاتے ہیں جو نیند کہ اس کو اشرف المخلوقات کی شراب پی کر چڑھی ہوئی ہے۔ فطرت یا قدرت انتہائی پیچیدہ عمل ہے جس میں کہ سانحے حالات و واقعات اپنے اردگرد کے ماحول کے زیر اثر شرائط اور بندش کے ذریعے ایک ناگزیر ضرورت کے تابع ہیں۔ حقیقی ضرورت ہمیشہ ناگزیر ہوتی ہے اور تمام ذہانت کا مدار انحصار اور سمت صرف اور صرف اس ناگزیر ضرورت کے حصول اور مفادات کے لئے ہے۔ لہٰذا ذہانت ایک آزاد بیرونی اثرات سے پاک عمل کی حیثیت سے اپنا وجود کھو دیتی ہے۔ ذہانت جب ناگزیر ضرورتوں کے حصول کے لئے ہو تو یہ میکانکی ہو جاتی ہے جو کہ جسمانی ضرورتوں خواہشات حالات اور شرائط کے تابع ہو جاتی ہے اور اپنے الگ معانی کھو دیتی ہے۔ میکانکی خیال کے مطابق جسموں اور اعضاء کی فطرت ذہانت کے بغیر ہوتی ہے اور یہ بے شعور ہوتے ہیں۔ ان کا شعور صرف اور صرف ان کے حالات ہوتے ہیں اور یہ حالات جن نتائج اور مزید واقعات کی طرف گامزن ہوتے ہیں یہ اجسام بھی انہی مقاصد کے حصول کے لئے اپنی دانش کی اصطلاح میں سرگرداں اور سرگرم ہوتے ہیں۔ انسان کی سوچ اور عمل ان حالات کا ناگزیر راستہ ہے جن حالات پر کہ انسان کو کوئی قابو نہیں ہے۔

ایسی صورتحال میں یہ ذہانت مستعار اور منعکس ہونے والے شعور کا نتیجہ ہوتی ہے اور یہ آزاد ذہانت یا ذہانت ہی کے لفظ سے انکاری ہے کیونکہ یہ صرف میکانکی ایک ہی ڈگر پر چلنے والی، غیر متغیر جسمانی مفادات کے تابع ہوتی ہے۔ اس کائنات کی کلی اور مکمل فطرت کی کنجی ناگزیر ضروریات کے تابع اپنے اپنے حصول مقاصد ہیں۔ یہاں نہ تو مادی اجسام ہیں اور نہ ہی غیر مادی ذہن اور شعور یہ صرف بھوک اور مفادات کے مجسمے ہیں اور ذہانت صرف بیرونی ماحول اور واقعات کے اثرات کی موافقت میں اپنے آپ کو اس طرح ڈھالنا ہے کہ آپ کا مقصد اور مفاد پورا ہو سکے۔ ایسی صورت میں ذہانت مستعار ہے بے معنی ہے دھوکہ اور فریب ہے۔ کیونکہ دماغ نہ رکھنے کی صورت میں بھی اجسام اسی کیفیت کے تابع سرگرداں ہیں اور دماغ کا یہ فریب بھی ان اثرات سے آزاد نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نباتاتی حیوانی انسانی جسم کی اکائی کو خلیہ کہتے ہیں۔ جیسے مکان اینٹوں سے مل کر بنا ہے تو تصور کر لیجئے کہ اگر انسان ایک مکان کی طرح ہو تو اس کی ہر اینٹ ایک خلیہ ہے اور ہر خلیہ ایک علیحدہ انفرادی زندگی ہے جس میں انتہائی پیچیدہ قسم کے کیمیائی عمل جاری و ساری ہیں۔ پورا انسان دو کھرب اور پچاس ارب خلیات سے مل کر بنا ہے۔ پوری دنیا کے انسانوں کی آبادی انسانی ایک جسم کے اندر آباد زندگیوں سے بہت کم ہے۔ انسانوں کے اجسام کے اندر صرف کمیونزم رائج ہے اور یہ سب خلیات کمیونسٹ ہیں ان میں انتہائی اہمیت کے حامل خلیات دماغ کے اعصابی خلیات ہیں جن کو کہ ہم نیورون کہتے ہیں ان کی تعداد تقریباً ایک ارب کے لگ بھگ ہے یہ اعصابی خلیہ یعنی کہ نیورون میں داخلے کے لئے جگہ ہوتی ہے اور ایک نالی باہر جانے کی ہوتی ہے جسے ایکسان کہتے ہیں۔ اندر جانے کا عمل برقی کیمیائی بہاؤ اور دھارے سے ہوتا ہے۔ جو کہ برقی چارج والے ایٹموں جن کو اوئین کہتے ہیں ان کے ذریعے ہوتا ہے۔ اندر آنے کی جگہ اور باہر جانے کے راستے کے مابین خلیہ کا جسم ہوتا ہے جہاں کہ فیصلے ہوتے ہیں۔ نیورون ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں فیصلہ کرتا ہے۔ ایسا کرتے وقت برقی چارج رکھنے والے ایٹم یعنی کہ اوئین ایکسان سے باہر نکل کر دوسرے نیورون میں داخل ہوتے ہیں پھر اس طرح یہ اوئین بہت سے خلیات میں داخل ہوتے ہیں اور ایک جیسا فیصلہ کرتے ہیں۔

ہر نیورون میں تقریباً دو لاکھ اندر داخل ہونے کے راستے ہیں۔ ان راستوں کے ذریعے نیورون عمل میں آتا ہے۔ اس میں برقی کیمیائی روئیں ہیں جن میں اوئین حرکت کرتے ہیں اور یہ چلتی ہوئے نبض کی طرح ہیں نیورون ایک سیکنڈ میں ایک ہزار دفعہ فائر کر سکتا ہے۔

انسان کے اعضاء میں کیمونزم کس طرح رائج ہے۔ لاتعداد زندگیاں اور اعمال آپس میں کس طرح مربوط ہیں۔ انسانی اعضاء کا مختلف حالات اور اجسام پر کتنا انحصار ہے اور یہ انحصار کیسے ہے۔ انسانی نظر کیا ہے۔ آنکھ کے بارے میں جو سادہ سا تصور ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک کیمرے کے عدسہ کی طرح روشنی کے لئے حساس ہے۔ انسانی آنکھ بہرصورت بہت پیچیدہ ہے۔ ریٹینا (Retina) جو کہ روشنی کے لئے حساس سطح ہے اس میں ایک ارب

تیس کروڑ نظر کے خلیات ہیں۔ ہر خلیہ ایک زندگی ہے جس طرح کہ ایک فرد۔ جانوروں میں ان خلیات کی کثافت اور گھناپن زیادہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی نظر بہت تیز اور دور تک کی ہوتی ہے جیسے کہ عقاب اوپر سے ہی زمین پر رینگنے والے جانوروں کو دیکھ لیتا ہے۔ یہ تمام خلیات دیکھے جانے والے اجسام کو برقی ڈسچارج کی ایک زنجیر اور لڑی کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ روشنی جتنی تیز اور چمکدار ہو گی برقی ڈسچارج کے نمبر کی رفتار اتنی ہی تیز ہو گی۔ نظر کے ان خلیات کے نتائج میں لاتعداد کڑیاں عمل اور رد عمل کی زنجیر کی صورت برقی ارتعاش جنم لیتا ہے جو کہ ایک برقی نبض کی طرح چلتا ہے۔ یہ پیغامات آخر کار چھان بین کرنے والے خلیات کے سٹیشن کو ملتے ہیں۔ تقریباً 130 نظر کے خلیات میں ایک چھان بین کرنے والے خلیات کا سٹیشن ہوتا ہے جو کہ آنکھ کو کنٹرول کرتا ہے۔ اور ہمیں تیز رفتار اجسام کی حرکت کا علم ان کے ذریعے ہوتا ہے۔ چھان بین کرنے والے خلیات کے ہر سٹیشن سے اعصاب دماغ کو جاتے ہیں۔ جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو ہم اعصاب کے ذریعے نبض کی بمباری دماغ پر کر رہے ہوتے ہیں۔ دماغ کے خلیات ان نبضوں کی بمباری کے جواب میں رد عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ دماغ کے بعض خلیات نبضوں کی ان زنجیروں کا جواب دیتے ہیں جو کہ عمودی لکیر ہوتی ہیں اور دوسرے خلیات افقی لکیر والی نبضوں کو رد عمل دیتے ہیں۔ ہر قسم کی لکیر کے لئے ہر حالت اور حرکت کی ہر سمت کے لئے دماغ میں علیحدہ علیحدہ خلیات کا گروہ موجود ہے جو کہ رد عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ تصویر کا تمام عکس لکیروں میں توڑ دیا جاتا ہے۔ دماغ کا رد عمل اور موصول شدہ اطلاعات کا تجزیہ پرانے تجربات پر انحصار کرتا ہے اگرچہ کچھ تمام کے رد عمل کا انحصار موروثی ہوتا ہے۔ تجربات اطلاعات کی صورت نتائج برآمد کرتے ہیں۔ یہ مختلف نمونہ جات بھی پیش کرتے ہیں جو کہ یادداشت میں اپنا گھر بنا لیتے ہیں۔ پھر جو اطلاع آنکھ دماغ کو پہنچاتی ہے، دماغ اس اطلاع کا موازنہ اور مقابلہ اس یادداشت میں محفوظ اطلاع کے ساتھ کرتا ہے اور پھر اس تقابل اور موازنہ کے بعد دماغ اپنا کام اور رد عمل شروع کرتا ہے۔

ہم رنگوں کو کس طرح دیکھتے ہیں۔ ینگ نے 1801ء میں کہا کہ آنکھ میں تین مختلف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقسام کے روشنی کے لئے حساس خلیات موجود ہیں۔ ایک گروپ سرخ رنگ کے لئے حساس ہے دوسرا سبز کے لئے اور تیسرا نیلے کے لئے کوئی رنگ دیکھنے کے لئے یہی خلیات مختلف تناسب میں عمل کرتے ہیں اگر ہم سرخ اور سبز روشنی کو ملا دیں تو آنکھ کے لئے یہ پیلا رنگ ہو گا۔ سرخ نیلی اور سبز روشنی مل کر سفید روشنی بناتی ہے۔ 1964ء میں امریکہ میں میک نکل اور والڈ کی تحقیق نے ینگ کے نظریہ کو درست قرار دیا۔ آنکھ کے روشنی وصول کرنے والے مخروطی خلیات تین رنگوں کے لئے حساس ہیں۔ آنکھ میں دو قسم کی روشنی یا پیغام وصول کرنے والے خلیات ہیں ایک مخروطی ہیں اور دوسرے پتلی سلاخ نما۔ مخروطی خلیات روشنی میں چیزیں دیکھتے ہیں اور پتلی سلاخ نما خلیات کم روشنی میں برانگیخت ہوتے ہیں اور سیاہ اور سفید تصویر دیتے ہیں۔ راتوں میں چلنے والے جانوروں میں پتلی سلاخ نما خلیات کی بہتات ہوتی ہے اور وہ اشکال کو سیاہ اور سفید رنگ میں دیکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور عمل بھی ہے۔ مثلاً جب ہم سرخ رنگ دیکھتے ہیں تو روشنی ہماری آنکھ میں سے گذرتی ہوئی ہمارے نظام اعصاب کو چھو لیتی ہے۔ نظام اعصاب اس روشنی کے پڑنے پر کچھ کیمیائی عمل کی انگیخت کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایسی حس بیدار ہوتی ہے جو کہ آنکھ سے موصول شدہ روشنی کے اس پیغام کا ترجمہ کرتی ہے اور اس کو اس کی تصویر کو دماغ پر ثبت کر دیتی ہے۔ اگر دماغ کو یہ کیمیائی عمل کا ترجمہ نہ پہنچے تو ہم کچھ بھی نہ دیکھ سکتے۔ آنکھ اور دماغ کے درمیان روشنی اور کیمیائی عملوں کے درمیان ایک دوستی کا رشتہ قائم ہے جسے ہم ایک دوسرے کی زبان کی سمجھ کا نام دیتے ہیں اور اسی ترجمہ کے ذریعے ایک ہی عمل اپنی شکلیں بدلتا ہوا ایک جسم سے دوسرے جسم میں سے گذرتا ہوا دونوں اجسام کے مابین شعور کا ایک ایسا رشتہ قائم کرتا ہے کہ دونوں اجسام ایک ربط کے ذریعے ایک دوسرے سے ایک معینہ چال ڈھال طور طریقے آداب اور برتاؤ کے عمل میں آجاتے ہیں۔ روشنی کا یہ عمل بے شمار پیغامات دماغ تک پہنچاتا ہے اور اس طرح ایک فرد دوسری اشیاء کی طرف ایک معینہ برتاؤ کا اظہار کرتا ہے۔ کائنات کے رشتے اور اجسام کا معینہ برتاؤ انہی پیغامات اور قوتوں کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔

انسانی دماغ کا انحصار اس کے جسم اور مادہ پر ہے کہ دماغ سوچنے کا ایک عضو ہے اور سوچ دماغ کا کام ہے۔ ہمیں اس بات کی آگاہی انتہائی توجہ دھیان اور غور سے کرنی چاہیئے کہ دماغ سوچ کا منبع یا ماخذ نہیں اور یہ سوچ کی وجہ نہیں ہے یہ صرف سوچنے کا ایک عضو ہے۔ شعور دماغ میں سے پیدا نہیں ہوتا۔ دماغ خیال کو پیدا نہیں کر سکتا علم کا منبع یا ماخذ ہمارے یہ اردگرد کی دنیا اور اس میں جاری و ساری عمل ہے۔ دماغ ان اعمال کی صرف عکاسی کرتا ہے اور نتیجتاً ہم علم حاصل کرتے ہیں۔ دماغ کسی علم کا منبع یا ماخذ ہرگز نہیں ہے۔ جسم کی موت کے ساتھ ہی شعور بھی ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہے۔ کسی چیز کے تصور کا مطلب چیز نہیں ہے بلکہ یہ صرف چیز کا عکس ہے۔ یہ عکس مادی نہیں ہوتا بلکہ یہ تصوراتی ہے۔ انسانی شعور صرف اور صرف سماج ہوتا ہے۔ انسانی شعور کا تعلق اس کے اردگرد کے ماحول سے ہے۔ ان فضاؤں ان حالات اور اسی ماحول جس نے کہ انسان کو گھیر رکھا ہے وہی اس کے شعور کا تعین کرتی ہیں۔ انسانی شعور تنہائی میں پیدا نہیں ہو سکتا اور یہ سماجی زندگی اور سماجی عمل کا دوسرا نام ہے اور انسان کے سماجی رابطے کا نتیجہ ہے۔ انسانی سماج اور انسانی معاشرے سے باہر کوئی انسانی سوچ کا وجود نہیں ہے۔ سماجی زندگی ہی سے انسانی سوچ پیدا ہوتی ہے اور کام کے دوران اس کے اس رابطے سے جو کہ وہ دوسرے لوگوں سے کرتا ہے اس رابطے اور کام نے ہی انسان بنایا اور انسانی سماج کو بھی پیدا کیا اور پھر اسی نے انسانی شعور اور دماغ کی تخلیق کی۔ اس لئے مارکس کا یہ مشاہدہ درست ہے کہ شعور ایک سماجی عمل کا نتیجہ ہے۔ انسان کے اس دماغ اور انسان نے بذات خود سماجی قوانین کے تابع اور زیر اثر رہ کر ہی ترقی کی ہے اور اس کا اپنا وجود قائم ہوا ہے۔

انسانی شعور ایک سماجی شعور ہے۔ آج سے دس ہزار سال پہلے پیدا ہونے والا جنگلی انسان اور آج کا انسان اس کا تضاد ہمیں کچھ پیغام دیتا ہے۔ آج کے دور میں مختلف سماج میں پیدا ہونے والے انسان امریکی معاشرہ یا پھر افریقہ میں تیسرا افغانستان کے قبائل میں چوتھا کمیونسٹ روس میں پانچواں جاپان کی تہذیب میں چھٹا کسی جزیرے میں ان انسانوں کے درمیان شعور کا تضاد سماجی نوعیت کا ہے۔ فرد کا فرد سے تضاد، عالم اور جاہل کا تضاد، عورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مرد کے اخلاقیات کا تضاد، ایک ہی فرد کے درمیان عمر کے مختلف حصوں کا تضاد، ادھیڑ عمر جوان بوڑھا بچہ مختلف تجربات سوچ کی مختلف گہرائی مختلف مشاہدات، جذبات کے درمیان تضاد، صحرا کا رہنے والا پہاڑوں کا باسی وادیوں کا باسی دریاؤں کی دھرتی کا رہنے والا موسم اور زمین کے انسان پر اثرات کا تضاد۔ گوشت خور، سبزی خور ایک شرابی جنسی ضروریات سے تسکین پانے والے اور تسکین نہ پانے والے کے درمیان تضاد۔ ایک بھکاری ایک شہنشاہ ایک معاشی تضاد، ایک شخص کا بیٹا قتل ہوا بیٹی سے غیر انسانی سلوک ہوا اس انسان کے جذبات کیا ہیں۔ ان سب حالات میں انسان کیا ہے؟ کیا حالات و واقعات سماج انسان کے شعور پر اثر انداز ہوتے ہیں یا پھر کہ انسان ان سب سے بالا تر ہے یا کہ انسان ایک کٹھ پتلی ہے۔

ہمارے جذباتی مفادات اور دلچسپیاں اور ہمارے مقاصد کے رجحانات کچھ باتوں کا تعین اور فیصلہ کرتے ہیں۔ جب ہم سے کوئی گناہ یا جرم سرزد ہو جاتا ہے تو ہمارا ضمیر ہمیں بری الذمہ قرار دیتا ہے کہ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ وہ میں نہیں تھا جس سے کہ یہ جرم سرزد ہوا وہ میرے اندر کوئی اور تھا۔ ہر نئے وقت میں ایک نیا انسان جنم لیتا ہے اور پرانا انسان مرجاتا ہے۔ ہم ہر وقت اپنے اندر ایک نیا انسان پیدا کر رہے ہوتے ہیں اور پرانے انسان سے جدا ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ بات سوچ کے میدان سے لے کر خلیات کی دنیا تک سچ ہے۔ خون کے پرانے جسیمے مر گئے نئے بن گئے۔ پرانے خلیات کی موت ہو گئی نئے وجود میں آگئے۔ ہمارا پرانا وجود ہم سے ہم شکل ہے ہماری اس سے جان پہچان ہے مگر ہم اتنے بدل گئے کہ ہماری سوچ اور عمل میں بالکل نیا انسان آگیا۔ ہمارے اس وجود کے ساتھ میری اس ذات کے ساتھ کتنے الفاظ ملے ہوئے ہیں آیئے ہم ان الفاظ کا مطالعہ سب سے پہلے کریں۔ بے جا انکساری بھی ہم میں ہے ہم اپنے آپ کو مجرم بھی قرار دیتے ہیں۔ ہم متکبر ہیں میں خود فریب ہوں۔ میں اپنی ذات میں محو ہوں۔ میں خود اعتماد ہوں۔ خود نگر، خود فکر، خود حسی، خود شعوری، خود ستائی، خود پسندی، خود ساختہ، محاسبہ نفس، خود تذلیلی، ضبط نفس، حفاظت ذات، نفس کشی، من مارنا، اپنے آپ کو کم سمجھنا، خود مختاری، اپنی ذات سے تعلیم حاصل کرنے

والا، اپنی مدد آپ کرنا، اپنی ذات کو اہم سمجھنے والا، خود غرضی، انانیت، خود ساختہ، خود رائے، نفس پرست، متحمل، ٹھنڈے مزاج کا، معرفت ذات، ملامت نفس، ضمیر، غیرت مندی، خود داری، صابر اپنے نفس پر جبر کرنے والا، اطمینان ذات، خود آزاری، لاتعداد معانی اس ذات اور خود کے ساتھ وابستہ ہیں۔ یہ ذات صرف ایک ذات ہی نہیں ہے یہ خود، بے خود کے تناظر میں ہے۔ یہ ذات بلا ذات کے پس منظر میں ہے۔ ذات کا احساس اپنے وجود کا احساس بلا ذات اور وجود سے باہر کے دوسرے اجسام کے تضاد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب میں کسی تصویر کو دیکھتا ہوں یا فلسفہ پڑھتا ہوں تو میں اس میں گم ہو جاتا ہوں۔ کسی بھی انسان کی دلچسپی اور اس کا اردگرد کا ماحول اس کی ذات اور وجود کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے جس کے بغیر کہ وہ وجود اپنے آپ کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ مستقل طور پر ہم اردگرد کی اشیاء سے متاثر ہو رہے ہوتے ہیں۔ میرے دماغ کے اندر ہر وقت ایک سوچ ہے جو کہ میری ذات کے متعلق نہیں ہے۔ میری آنکھیں ہر وقت باہر کی اشیاء کو دیکھ رہی ہیں میں ہمہ تن ہمہ گوش اپنی ذات سے باہر کے ساتھ رشتہ جوڑ رہا ہوں اور ان کے ربط کے ساتھ ان کا ایک حصہ بنا ہوا ہوں۔ ہم ہمیشہ کام میں گم رہتے ہیں۔ ہمیں اپنے آپ کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب یا تو ہمارے اعضا تھک جائیں یا ہمارے کام میں خلل آجائے۔

وجود یا ذات یا خود بھی ایک پیچیدہ سا سوال ہے۔ اس کا شعور بہت عارضی سطحی اور صرف ایک تہہ میں قید ہے۔ کیا میرا اور میرے جسم کے اندر خلیات کا وجود اور ذات ایک ہے۔ میرے خون کے اندر یا عضلات میں آنے والی تبدیلیوں کا شعور یا ادراک مجھے ہے جسم میں ہونے والے اعمال کا علم مجھے نہیں اور توجہ ایک وقت میں صرف ایک نقطہ پر رہ سکتی ہے۔ توجہ کا نقطہ صرف ایک ہے۔ بیک وقت توجہ دو نقاط پر نہیں ٹھہر سکتی۔ اسی نے ذات خود وجود کو محدود کر دیا ہے۔ پھر اس کے علاوہ میری ذات کتنی مجبور ہے کہ اس کا انحصار اپنے ماحول پر بہت زیادہ ہے میں اپنے عزیز و اقارب اپنے گھر اپنی رسموں اپنے گاؤں بستی دریا پہاڑ اپنے کپڑے اپنے ہنر اور پیشے اپنی دلچسپیوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر آپ کسی جنگلی کو شہر میں لے آئیں تو یہ جنگلی اپنے روزمرہ کے حالات کی عدم موجودگی کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے بیمار رہنا شروع ہو جائے گا۔ کمزور ہو جائے گا حتیٰ کہ یہ مر بھی سکتا ہے۔ یہ پاگل بھی ہو سکتا ہے۔ ماحول کی عدم موجودگی انسان پر کتنے گہرے اثرات چھوڑتی ہے۔ یہ بات ہمارے لئے سمجھنا اشد ضروری ہے۔ کہ ذات خود اور وجود اپنے تناظر کے ساتھ بلا ذات بغیر وجود کے خود سے باہر کے ربط تعاون کا ہی نتیجہ ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری فکری اور اخلاقی قدریں ہمارے بنیادی ڈھانچے میں اس طرح جڑیں پیوست کئے ہوتی ہیں کہ ہم بعض دفعہ موت کو گلے لگا لیتے ہیں مگر ہم ان قدروں سے منکر نہیں ہوتے۔ ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ جذبات احساسات تکالیف یہ ہماری اپنی ہیں حالانکہ ان سب کا انحصار اور واسطہ باہر سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگر میں کسی فحش اور ننگی تصویر کو دیکھ کر خوشی محسوس کرتا ہوں یا پھر ایسا کرنے پر میرا ضمیر مجھے برا بھلا کہتا ہے اور پھر ملامت کے بعد پھر مجھے خوشی ہوتی ہے میرا ضمیر زندہ ہے۔ اس میں یہ ساری باتیں سماجی ہیں اس خوشی کا تعلق اندرونی بھی ہے اور بیرونی بھی اندرونی جسمانی ساخت کی تسلی اور تشفی لیکن فحش تصویر اور ضمیر دونوں ذات سے باہر کی بات ہے۔ ذات اور بلا ذات خود اور بے خود۔ وجود اور وجود سے باہر ایک دوسرے سے اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ ان کی حد فاصل کا علم رکھنا کافی مشکل بات ہے۔ وجود سے باہر کی چیزیں ہی صرف نہیں بالکل اپنے جسم کے اندر کی چیزیں بھی اپنے وجود سے باہر لگتی ہیں ابھی یہ غذا کا ٹکڑا باہر پڑا ہے ہم نے اسے کھا لیا پیٹ میں جا کر ہضم ہو گیا خون کا حصہ بن گیا۔ عضلات بن گئے۔ ہم بیمار ہو گئے کمزور ہو گئے خلیات کی توڑ پھوڑ اور موت سے چیزیں ذات سے جسم سے باہر چلی گئیں خون جسم سے نکل گیا بلا ذات ہو گیا۔ انسانی جسم میں مختلف تناسب سے لاتعداد دھاتیں اور کیمیائی اجزا موجود ہیں انسانی جسم میں اتنا لوہا ہے کہ اس سے لوہے کی چھ انچ لمبی کیل بن سکتی ہے۔ پروٹین امینو ایسڈ سے بنتی ہے روٹی میدہ نشاستہ کاربن، ہائیڈروجن اور آکسیجن ہے۔ پانی ہائیڈروجن اور آکسیجن ہے۔ غرضیکہ انسان کی ذات وجود اور خود، ذات سے باہر وجود سے باہر اور خود سے باہر کی چیزوں نے بنایا ہے اور یہ ایک دوسرے میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور ان پر انحصار کرتا ہے۔

میری موجودہ ذات میرا خود اور وجود میرے ماضی سے بالکل مختلف ہے۔ ماضی میں بچہ

تھا، پھر جوان بھی تھا تمام جسم کے خلیات بدل چکے ہیں جہالت سے علم کی طرف ایک لمبا راستہ طے کیا۔ بچپن یا جوانی میں میں نے جو فیصلے کئے تھے اب وہ میرے لئے بہت مضحکہ خیز ہیں لیکن میں نے کچھ کھو بھی دیا وہ خوشیاں میرے بچپن کی مجھ سے روٹھ گئیں کہ میرا وجود ایک مستقل نشوونما اور ارتقاء کا نام ہے جب کہ میں ماں کے پیٹ میں تھا یا میرا آدھا حصہ باپ میں سپرم کی صورت تھا اور آدھا ماں کے جسم میں اووم کی صورت تھا۔ پھر ان دو خلیات کے ملاپ سے ایک بنا وہاں سے یہ دو خلیات بنے اور پھر چار اور سولہ اب میں دو کھرب پچاس ارب خلیات کی ایک بستی کا نام ہوں میرے شعور کی میرے احساس کی ابتدا کس حد سے شروع ہوئی مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ جب میں بہت پریشان ہوتا ہوں تو میں چودہ گھنٹے کے لئے سو جاتا ہوں۔ چودہ گھنٹے ایسے گذر جاتے ہیں جیسی ایک پل اتنی گہری نیند سوتا ہوں جیسے کہ موت میرا وجود میری ذات اس وقت کہاں ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔ میرا وجود اور ذات ماضی کے دھندلکوں میں گم ہوتے سائے کی طرح پھیلا ہوا ہے اور آنے والا انجانا مستقبل اور اس لمبی لکیر میں ایک نقطہ موجود حال ہے۔ جس میں کہ میرا وجود اور ذات مجھے کچھ لمحوں کے لئے اپنا احساس دلاتا ہے۔ موت کے اس اندھیرے پردے کے پیچھے کیا ہے ہمارا وجود ہماری ذات کو کیا ہو گا۔ کسی کو معلوم نہیں لیکن یقیناً موت وجود کے اس اتحاد کو توڑ دیتی ہے۔

☆ ☆ ☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹا باب

جورس پروڈنس (فلسفۂ قانون)

حیوانات میں سے ایک حیوان کی نشوونماء اور ارتقاء اس طرح ہوا کہ وہ حیوان انسان کہلانے لگا۔ انسان نے بولنا سیکھا انسان کے تجربات اور مشاہدات سے علم جمع ہوا۔ صدیوں کے ان تجربات کا علم جمع ہوتا گیا۔ زبان ایک دوسرے کو سمجھانے کا ذریعہ بنی۔ ہر نسل نے اپنے اپنے تجربات کو کتابوں کے سینوں میں محفوظ کرنا شروع کردیا۔ کتابوں میں لکھے ہوئے تجربات کو پڑھنے سے آنے والی نسلیں پہلے انسانوں کے تجربات سے فیضیاب ہونے لگیں۔ ہر آنے والی نسل کا مقام پہلی نسل کی نسبت سے ایک سیڑھی بلند ہوتا چلا گیا۔ اس نشوونماء اس تبدیلی نے عقل کے میدان میں ذہن اور دماغ کو مزید جلا بخشی اور ترقی دی۔ جس چیز کو زیادہ استعمال کیا جائے وہ چیز پرورش اور نشوونماء پاتی ہے۔ لہٰذا انسانی دماغ پہلی نسلوں کی نسبت اب زیادہ بڑا اور زیادہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس پر استعمال کا بوجھ بڑھ گیا ہے اور یہ مزید ترقی کی طرف گامزن ہے۔ آبادی کے بڑھنے اور وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ سماجی علوم اور سائنس کے میدان میں بھی بے پناہ ترقی ہوئی۔ انہی علوم کے سہارے انسان نے قوانین فطرت کو سمجھنا شروع کردیا۔ انسان نے اشیاء کی عادت کو سمجھ کر ان کی عادت کے مطابق مظاہر فطرت سے کام لینا شروع کیا۔ مظاہر فطرت کی صورت قید بڑے بڑے طاقتور جنوں اور دیوؤں کو اپنے قبضہ کر لیا اور بے پناہ ترقی ہوئی۔ انہی قوتوں کی مدد سے انسان کے مفادات کے لئے پہاڑ اور سمندر اپنی جگہ سے ہٹ جاتے۔ دیو ہیکل مشینوں نے انسانی غلامی کا کام کیا۔ اس کرہ ارض پر دلیل اور منطق نے یکسانیت کے ساتھ اپنا اثر دکھایا۔ ایک ایک فرد کے تجربات سے پوری انسانیت فیضیاب ہوئی اور چند افراد کی قربانیاں پوری نسل انسانی کے لئے مشعل راہ بنی۔ شروع شروع میں انسان کا مطالعہ سادہ قسم کے اعمال کو

سمجھ سکتا تھا لیکن آہستہ آہستہ انسان کا مطالعہ گہرا ہو گیا اور وہ انتہائی پیچیدہ اعمال اور اشیاء کو سمجھنے لگا۔ اس نے لاتعداد عوامل کا کھوج لگا لیا۔ اس کے تجربہ اور علم نے اسے بتلایا کہ دنیا کے انتہائی مشکل اور پیچیدہ قسم کے عوامل اور اجسام میں بھی سادہ قسم کے قوانین کا ہی راج ہے۔ معاملہ صرف درجات کی مختلف حدوں کا ہے۔ اس کائنات کے اندر جتنے بھی اجسام یا اشیاء انسانی تجربات میں گذری ہیں ان سب کے اندر ایک ہی قسم کے قوانین فطرت جلوہ افروز ہیں۔ فرق صرف عمل کا مختلف تعداد میں اور مختلف امتزاج میں ہونے جانے کا ہے۔

انسانی معاشرہ اور سماج جب تشکیل ہوا تو پھر کام کی نوعیت اور پیداوار کے حوالے سے مختلف انسانی رشتوں نے جنم لیا۔ اب انسان کا انسان کے ساتھ ایک رشتہ ہے۔ اس سماج نے انسانی کاوشوں اور کام کے عوض میں، اس کے کچھ حقوق تسلیم کئے۔ ہر فرد کو ملکیت کا حق ملا اور اس فرد کی آزادی کے لئے سماج نے متفقہ طور پر کچھ اصول وضع کئے۔ رسم و رواج کے چلنے سے ان میں سے کچھ اخلاقی سطح کے اصول بھی تھے۔ پھر انہی سماجی اور اخلاقی قوانین میں سے بعض اصولوں کو زیادہ اہمیت دی گئی کیونکہ سماج کی بقاء اور زندگی کے لئے اسے اس حد تک ضروری سمجھا گیا تھا کہ ان کی خلاف ورزی سے فرد اور سماج دونوں کو ناقابل تلافی نقصان ہوتا ان اصولوں کے بغیر سماج میں یکسانیت، افراد کے مابین اعتماد، عمل اور نتیجہ کے مابین ایک رشتہ اور ہمہ گیریت قائم نہ ہو سکتی تھی اور ان اصولوں کے بغیر فرد اور سماج دونوں کی تعمیر اور ترقی ممکن نہیں تھی۔ اس کی خلاف ورزی کو قابل سزا قرار دیا گیا۔ یہی اصول معاشرہ میں قوانین کہلائے گئے۔

معاشرے کے ان قوانین کا ایک فلسفہ ہے ایک سائنس ہے۔ قوانین کی تاریخ کیا ہے؟ ہمارے سماج میں قوانین نے کب کیسے اور کیوں جنم لیا اور ان کا ارتقاء کیسے ہوا۔ قوانین کیا ہونے چاہئیں۔ قوانین کا عقائد اور سائنس کے ساتھ کیا واسطہ ہے؟ ایک سماج میں قوانین کو شکل دینے والے عوامل کیا ہیں اور اس کا دوسرے ترتیب شدہ قانونی نمونہ جات سے کیا امتزاج کی نسبت اور مقابلہ کی جانچ ہے۔ یہ سب سوالات ہمیں فکر کے اس مقام پر لے آئے ہیں جس سے کہ تعصب سے آزاد ایک سوچ جنم لے اور ہم سماج اور فرد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی آزادی اور فلاح کے لئے عدل انصاف کے لئے بہتر نتائج اخذ کر سکیں۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ قانون کے نشتر کو ماضی میں کس طرح استعمال کیا گیا۔ جرمن نازیوں نے قانون کے ہتھیار کو بین الاقوامی غنڈہ گردی کے لئے استعمال کیا اور انسانوں کے خون کے پیاسے ڈاکوؤں نے لوٹ مار کے لئے قوانین بنائے۔ اسی طرح سرمایہ داروں کی دنیا نے اس مقابلے کی جدوجہد کو آزادی کہا ہے۔ جہاں ایک آدمی بکتر بند گاڑی میں مشین گنوں کے ساتھ مسلح زندگی کی جنگ لڑ رہا ہے۔ دوسرا بالکل تنہا بغیر کسی اسلحہ کے یا پھر صرف خنجر ہے اس کے پاس یا پھر جیسے ایک شیر کو لمبے پنجے اور دانت اور طاقت ور جسم ملا ہے دوسری طرف اس کے مقابلے میں بکری کو چھوٹے چھوٹے سینگ کمزور جسم، کیا دونوں برابر کے آزاد ہیں۔ یہ آزادی نہیں ہے۔ ایک کم آزاد ہے اور دوسرا زیادہ آزاد مقابلہ ایک فریب اور ان اصولوں پر بنیاد رکھتا قانون ایک ڈھونگ ہے۔ یہی سرمایہ دارانہ نظام کی آزادی ہے جہاں بھیڑیا بھی آزاد ہے اور بھیڑ بھی آزاد یہ صرف کمیونزم ہے جہاں کے قوانین، عدل ہیں، جہاں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ اس طرح مختلف نظریات اور فلسفوں پر بنیاد رکھتی حکومتوں نے ان نظاموں کی حفاظت کے لئے قوانین بنائے۔

قانون کا مقصد کہ معاشرہ میں انسانی عمل انسانی عادات انسانی برتاؤ کو دلیل اور منطق کے تابع منظم کر کے ایک معینہ سمت دی جا سکے اور انسانی روابط انسانی رشتوں میں لین دین اور ضروریات کے لئے ایک قائدہ اور کلیہ بن سکے اس طرح پورے سماج کو کنٹرول کرنا ممکن ہو جاتا ہے اور صحیح اندازے بھی ممکن ہو جاتے ہیں۔ قانون کا مقصد سماج اور معاشرہ کی فلاح بھی ہے۔ سینٹ آگسٹائن نے کہا کہ وہ قانون ہی نہیں ہے جو انصاف نہ کر سکتا ہو لہٰذا قانون کی معقولیت اس کی انصاف کرنے کی استطاعت پر مبنی ہے اور کسی چیز کو آپ معقول نہیں کہہ سکتے جب تک کہ یہ دلیل اور منطق کے تقاضوں کو پورا نہ کرے۔ سچا قانون کھری اور سچی دلیل ہوتا ہے۔ لیکن انسانی مفاد پرست رجحانات کے پیچھے اس دلیل اور منطق کی نافرمانی کے لئے ایک جال بنا جاتا ہے جو کہ مکڑی کے اس جالے کی طرح صرف اور صرف استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا ایک پروگرام وضع کرتا ہے۔ پھر ایک منفی آزادی کی بات ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر رحم کرنا اچھی بات ہے۔ لیکن سانپ کا بچہ بڑا ہو رہا ہے کہ

یہ لوگوں کو ڈس لے گا۔ اگر آپ اس کو مار دیں تو یہ رحم نہ ہو گا اگر اسے چھوڑیں تو یہ ڈس لے گا۔ اسی طرح ایک سرمایہ دار ہے اگر آپ اسے آزاد کر دیں تو یہ اجارہ داریاں، ذخیرہ اندوزیاں، ملاوٹیں، مزدوروں کا معاشی قتل اسی کی پیداوار ہے اگر اس کو آزادی نہ دیں تو آپ ڈکٹیٹر ہیں۔

فلسفہ قانون یا قانون کی سائنس جورس پروڈنس نے قانون کو ارتقاء اور آنکھیں دینے کے لئے بے پناہ خدمت سرانجام دی ہے۔ ساری دنیا کی یونیورسٹیوں میں سامراجی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں بھی پڑھائی جانے والی جورس پروڈنس ہمیں عقل اور علم کے ایک ہی نقطہ پر لے جاتی ہے۔ جورس پروڈنس، جورس کا مطلب قانون ہے اور پروڈنس کا مطلب فہم اور عقل ہے۔ اس فلسفہ قانون کے مطابق قانون کا اصل مقصد حصول انصاف ہے اور یہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کے حقوق تلف کرنے یا دوسروں کے حقوق پر حملہ آور ہونے سے روکتا ہے۔ اور پھر انصاف کیا ہے اس کا تجزیہ ہم جورس پروڈنس کے حوالے سے کرتے ہیں۔ جورس پروڈنس جو کہ نظریہ اور زندگی کے عمل کو ایک جگہ مرکوز کرتی ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق انسانی سوچ اور اس کے تناظر میں انسانی سماجی وجود سے ہے۔ ہمارا مقصد جاننے کے علاوہ سوچنے کا بھی ہے۔ تنقید کا عمل ترقی کا عمل ہے کیونکہ اس سے ہماری کھوج لگانے کی صلاحیتیں بیدار رہتی ہیں۔ لیکن اس تنقید کے ساتھ دیانت اور خلوص نیت سے علم کا حصول لازم و ملزوم پہلو ہیں۔ آپ کی سوچ کی حقیقت اور اصلیت اس بات پر منحصر ہے کہ آپ کی سوچ کی کیا وسعت ہے اور آپ کی دور رس نظر اشیاء کو اس کے تناظر اور پس منظر اور دیئے گئے حالات کے حوالے اور رشتے سے دیکھنے کی استطاعت رکھتی ہے؟ لاتعداد مختلف زاویوں سے جمع شدہ خیالات کی مرکز ثقل کہاں واقع ہے۔ ہر نظریہ صرف اپنے دیئے گئے عارضی وقت میں ایک سچائی اور حقیقت ہے۔ ہر آنے والے وقت میں نئے حالات میں اس نظریے کو ایک نئی پرکھ اور امتحان میں سے گذرنا پڑے گا اسی کو ہم ترقی اور ارتقاء کہتے ہیں۔

جورس پروڈنس جو کہ قانون کے ڈھانچے بناوٹ اور اس کے عمل پر بحث کرتا ہے کہ حقوق و فرائض کیا ہیں اور قانون میں ان کی ترجمانی کیسے ہونا چاہیئے۔ قانون کی تاریخ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انصاف، آزادی، انسانی حقوق، صوابدید قانون اور اس کا ارتقاء اور تہذیب و تمدن و رسوم یہ سب باتیں قابل ذکر ہیں۔ جورس پروڈنس مختلف دوسری سماجی سائینسوں کو قانون کے علم کے ساتھ آراستہ کرتی ہے۔ یہ مختلف علوم جن میں سماجی ثقافتی علم فلسفہ اخلاقیات اور انتھروپالوجی ہے نظم و ضبط کی پابندی کے ساتھ ایک علمی وابستگی کا اظہار کرتی ہے۔ انصاف اور عدل کے حصول کے لئے جورس پروڈنس کی بحث چار نکات پر مرکوز ہے۔ انصاف اور عدل کے حصول کے لئے سب سے زیادہ ضروری بات اور انصاف کے حصول کا پہلا بنیادی اور مرکزی نقطہ (i) ہے۔

(i) فوائد اور نقصانات کی معاشرہ میں منصفانہ تقسیم۔

(ii) طاقت اور آزادی کے ناجائز استعمال کی پابندی۔

(iii) مختلف لڑائیوں اور جھگڑوں میں حقوق کے حوالے سے صحیح فیصلے کرنا۔

(iv) سماج میں ہر تبدیلی کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کا شعور فراہم کرنا۔

یہ وہ چار نقاط ہیں جو کہ حصول انصاف کے لئے ازحد ضروری ہیں جو قانون ان معیاروں پر پورا نہیں اترتا وہ ایک فریب ہے۔ معاشرے میں فوائد اور نقصانات کی منصفانہ تقسیم ہی درحقیقت انصاف کی وہ بنیادی کڑی ہے جس پر کہ باقی تمام سوچ اور خیالات سہارا کئے ہوئے ہیں۔ ہر دور کے فلسفیوں نے اس اہم موضوع پر بے پناہ سوچ بچار کی ہے۔ مختلف سکول اور ادارے اس مقصد کے لئے بنائے گئے کہ معاشرے میں کوئی ایسا فرد یا ادارہ نہ رہ جائے جس کو کہ وہ فوائد نہ مل سکیں جو کہ باقی دوسرے افراد کو حاصل ہیں۔ معاشرہ بھی انسانی جسم کی طرح ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آکسیجن اگر تمام اعضاء کو نہ مل سکے یا پھر خوراک خون کے ذریعے سب اعضاء کو نہ پہنچے تو اعضاء کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اعضاء وٹامن پروٹین یا مختلف اقسام غذا کی قلت کی وجہ سے مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سماج کا بھی یہی حال ہے۔ اس سماج پر ہر فرد کا بحیثیت انسان ایک حق ہے اور وہ حق اس کی بنیادی ضرورتوں پر محیط ہے۔ یہ سب حقوق صرف اسی حد تک ہی نہیں ہیں بلکہ ان حقوق پر لاتعداد دوسری قدریں سہارا کئے ہوئے ہیں۔ جن کو سانس نہ ملنے کی وجہ سے لاتعداد سماجی، معاشی اور معاشرتی برائیاں اپنا گھر وہاں بنا لیتی ہیں۔ اس طرح

یہ گھن لگا سماج تباہی و بربادی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

فوائد اور نقصانات کی منصفانہ یا غیر منصفانہ تقسیم سے باقی کی تمام قدریں یا برائیاں جنم لیتی ہیں۔ جس سے کہ ایک ترقی یافتہ یا غیر ترقی یافتہ صحت مند یا بیمار معاشرہ جنم لیتا ہے۔ طاقت یا کمزوری، کچھ کرنے کی ہمت یا بیچارگی، ظلم اور مظلومیت، زبردستی یا مجبوری، بالادستی یا زیردستی، قابو یا بے بسی، احساس یا بے حسی، ذمہ داری یا لاپرواہی، آزادی اور غلامی، نیکی بدی، جرم اور اصلاح، علم اور جہالت، صحت اور بیماری، بہادری اور بزدلی، فتح اور شکست، محنت اور سستی، مثبت اور منفی حتی کہ یہ سب کیفیات صرف اور صرف فوائد و نقصانات کی منصفانہ اور غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہیں۔ تمام جنگوں کی وجہ تمام جھگڑوں کی بنیاد تمام فتنوں کی جڑ اور تمام خونریزیاں صرف اور صرف فوائد و نقصانات کی غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہیں۔ تمام جنگیں اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنے حقوق کے حصول اور حقوق کو غصب کرنے کے مابین ہوتی ہیں۔

جب بے انصافی حد سے بڑھ جائے مفادات اور فوائد صرف چند لوگوں کے لئے رہ جائیں تو ایسے سماج میں قانون کے کوئی معنی نہیں رہتے اور پھر قانون لاقانونیت میں تبدیل ہو جاتا ہے جس سے کہ ادارے اور مملکت اپنا وجود کھو دیتے ہیں تو ایسے سماج میں تفریق تفرقہ اور فساد برپا ہو جاتا ہے۔ بغاوتیں جنم لیتی ہیں اور بسا اوقات منظم انقلاب راہوں کو روشن کرتے ہیں۔

پہلی قسم کا انصاف جس میں فوائد اور نقصانات کی تقسیم کی بات ہے DISTRIBUTIVE JUSTICE کہلاتا ہے۔ اس قسم کے انصاف پر سارے دوسرے قوانین کی بنیادیں اور عمارت قائم ہیں۔ اس قسم کے انصاف کے بغیر قانون بے معنی اور سطحی ہوتا ہے جہاں انصاف کی یہ قسم دیر تک سماج کو مہیا نہ ہو سکے وہاں اس سماج کی بنیادوں میں بارود جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور انقلابات اور تبدیلی کے لئے زمین ہموار ہونا شروع ہو جاتی ہے اور پھر ایک دن اس بارود کو آگ لگ جاتی ہے اور دھماکے کے ساتھ سماج اور اس کا یہ نظام جو کہ بے انصافی پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے پرخچے اڑ جاتے ہیں اور انقلابات آجاتے ہیں۔ ان انقلابات کو CORRECTIVE JUSTICE کہتے ہیں جو کہ سالوں کی جمع شدہ ناانصافیوں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلاظتوں کو دھو کر پاک صاف کر دیتا ہے اور نئے سرے سے سماج کی سطح ہموار کر کے اسے توازن دیتا ہے۔ بیماریوں کا علاج ہو جاتا ہے۔ ناسور کٹ جاتا ہے۔ خون پر پلنے والے کیڑے مکوڑے جو نکیں سانپ اور بچھوؤں سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔ معاشرے میں نئی سکت پیدا ہو جاتی ہے۔ نئی زندگی، نئی لہر اور نئی امنگ کے ساتھ انگڑائی لیتی ہے۔ ارتقاء تبدیلی اور نشوونماء زمانے کی ضرورتوں کے مطابق نئے سرے سے اپنی نئی منزل کی طرف رواں دواں کوشاں نظر آتے ہیں۔

انصاف کے حصول کے لئے دوسری اہم ضرورت آزادی اور طاقت کے ناجائز استعمال پر پابندی ہے۔ آزادی اور طاقت کا ناجائز استعمال آج کل کے دور میں انسانی سماج کے لئے سب سے بڑا خطرہ ثابت ہو چکا ہے۔ ناجائز آزادی اور ناجائز طاقت کو روکنا آج کل کے مفکرین کو ایک کھلا چیلنج ہے جو کہ سماجی سیاسی اور اخلاقی قدروں کے لئے بہت بڑا خطرہ بن چکا ہے۔ مختلف گروہوں کے درمیان یا افراد کے مابین طاقت اور آزادی کا توازن ہی انصاف کی سمت ہے۔ جب سرمایہ کی تقسیم غیر متوازن ہو جاتی ہے تو اسی تناسب سے طاقت اور آزادی میں بے پناہ تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تضاد ہی تمام جرائم کو جنم دیتا ہے۔ اس سماجی خلل سے طاقت سرمایہ اور آزادی یکجا ہو جاتی ہیں اور اس امتزاج میں آزادی کے معنی وہ آزادی جس پر کسی قسم کی اخلاقی پابندی بھی نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح بڑی بڑی اجارہ داریاں جنم لیتی ہیں۔ انسانی حقوق اور مساوات کو مکمل طور پر پامال کر کے انسانوں کی کثیر آبادیوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیتی ہیں۔

بادشاہ سے طاقت اور اختیارات چھین کر پہلی مرتبہ جب پارلیمنٹ کو دے دیئے گئے تو اس کے پیچھے جو فکر کار فرما تھی وہ یہی تھی کہ فرد کے ہاتھوں سے طاقت اور ناجائز آزادی کے امکانات چھین لینے میں ہی انسانیت کی بقاء ہے۔ اختیارات انسانوں کے اجتماعات اور ان کے مفکرین کے ہاتھ میں ہی ہونے چاہیں تاکہ ممکنہ احتیاط ہو سکے اور اس طریقے سے کافی حد تک نسل انسانی خونریزی سے بچ گئی۔ تاریخ کا یہ قدم ایک ارتقائی عمل تھا جو کہ مزید ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

لیکن ابھی تک نسل انسانی افراد کے لامحدود اختیارات کی زد سے باہر نہ نکل سکی ہے۔

طبقاتی مفادات کی بالادستی کی وجہ قوانین اور پارلیمنٹ کو بھی طاقت کے ناجائز استعمال کے لئے آلۂ کار بنایا گیا۔ قانون کے نام پر انصاف کے نام پر ہی انصاف کا قتل کیا جاتا رہا اور کیا جا رہا ہے۔ سامراج کی دنیا نے انسانی لاشوں کے ڈھیروں پر کھڑے ہو کر بے پناہ ترقی کی ہے اور قانون اور انصاف اور امن کے ان ٹھیکیداروں نے ہی امن کے سفید جھنڈے کے نیچے بے پناہ ظلم اور زیادتی کو روا رکھا ہے۔ جاگیردار سرمایہ دار طبقات کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بہت اعلیٰ قسم کے انسان ہیں اور ان کی رگوں میں عام انسانوں سے ہٹ کر بہت پاک اور صاف خون چل رہا ہے۔ وہ زیادہ ذہین اور باعلم اعلیٰ نسل کے خاندانی لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمرانی کے لئے بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر خاص مہربان ہیں اور یہ سب فراوانی اور سامان تعیش انہیں حکم ربی سے ملا ہے۔ باقی کمی کمین لوگ ڈنگر اور ڈھور صرف چھوٹے چھوٹے حقیر کاموں کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ عام لوگوں کو یہ طبقات بہت کم معاوضہ دیتے ہیں۔ اور ان سے انتہائی غیر انسانی سلوک اور برتاؤ روا رکھتے ہیں۔ سوچ کی اسی چھاپ کے ساتھ یہ ظالم فرعون لٹیرے طبقات پارلیمنٹ کو اپنے جرم کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں اور یہ غنڈہ گردی کے منظم گروہ اپنے جرائم پر پارلیمنٹ کی قانونیت کا لبادہ چڑھا دیتے ہیں۔ یہ اپنی سوچ کی اسی چھاپ کے ساتھ اپنے طبقات کے مفادات کے حوالے سے قوانین بناتے ہیں اور ان کے یہ قوانین جھوٹ اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔ ان کے یہ قوانین ایک منظم سوچی سمجھی سکیم کے ساتھ دنیا میں استحصال اور لوٹ کا بازار گرم رکھتے ہیں۔ ان طبقات کے قانون دان قانون ساز قانون کی توجیہہ کرنے والے قانون لاگو کرنے والے سب کے سب مجرموں کا ایک ایسا منظم جتھا اور گروہ ہے کہ جب تک یہ قائم ہے اس دنیا میں جرم اور ظلم نہیں مٹ سکتا۔ سامراج کی بڑی بڑی فوجوں کا مقصد خونریزی کے سوا کچھ نہیں راکٹ اور ایٹم کے پیچھے کیا سوچ کار فرما ہے۔ یہ انسانی نسل کی تباہی کی سوچ ہے۔ یہ راکٹ اور یہی ایٹم کے پیچھے کیا سوچ کار فرما ہے۔ یہ انسانی نسل کی تباہی کی سوچ ہے۔ یہ راکٹ اور یہی ایٹم بنانے والے ہمیں امن کا درس دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک امن کی واحد صورت یہی ہے کہ ہم سب ان کے غلام رہیں اور یہ ہمارے آقا ہم اس قانون کو مانتے رہیں جس قانون کے ذریعے محنت ہم کریں اور اس محنت سے پیدا شدہ دولت ان کی ہو۔ تمام دنیا میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمندروں اور زمینوں کے تمام خزانے ان کی ملکیت سامراج کی ہو اور ہم کو لہو کے بیل سوکھی روٹی کے ٹکڑوں پر گذراوقات کریں۔ جہاں چرند پرند بوند کو ترسیں آسمان آگ برسائے اور زمین خاک اڑائے وہاں ہم باغی بندوق کا سہارا لیتے ہیں۔ تم اس امن اور سکون کو مانتے رہو ہم تو باغی چلے اس تختہ دار کی طرف دنیا کی ساری دولت کا مالک سب سے زیادہ آزاد سب سے زیادہ طاقتور تمام ادارے، قانون، مذاہب باوردی لوگ اسی کے ملازم اسی کے حکم کے پابند ہیں۔ یہ سب استحصال کی راہیں کھول دیتے ہیں۔ سب کے سب نسل انسانیت کے قاتل ہیں۔ گلا کرنا، شکوہ کرنا اور احتجاج کرنا یہ سب امن کو پارہ پارہ کرنے کی باتیں ہیں۔ جمہوریت کے نام پر بھی بادشاہت جاری و ساری رہی۔ بالائی طبقات نے رسم و رواج اور عقائد کو استعمال کر کے مطلق العنان مفادات کے لئے خون بہایا۔

کائنات میں جتنی سرحدیں یا حدیں ہیں درحقیقت یہ مختلف اجسام کے مابین طاقت کے تناسب کا نام ہیں۔ سمندر اور زمین کی ایک جنگ ہے۔ زمین نے سمندر سے جنگ کر کے اسے ایک خاص مقام پر روک دیا یہی اس کی حد بنی۔ پھنکارتا ہوا شوریدہ سر سمندر زمین کو نگل لینا چاہتا ہے مگر اس زمین نے ایک جنگ سے سمندر کو ایک حد سے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یہی ہے طاقت کا توازن جس نے ہر شے کو اپنی اپنی جگہ پر آزادی دی اور دوسرے کی طاقت نے پہلے کو اپنی ذاتی زندگی میں مداخلت کی اجازت نہ دی۔

ایک طرف جب ہم کہتے ہیں کہ ہر انسان کو آزاد ہونا چاہیئے دوسری طرف ہم یہ کہتے ہیں کہ آزادی کو پابند ہونا چاہیئے تو پھر مجموعی طور پر بحیثیت کلی آزادی کے کیا معنی ہیں۔ آزادی کا مطلب ایسی آزادی ہے جس سے کہ کسی دوسرے انسان یا فرد یا اجتماع کے حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو اور نہ ہی کسی اور کے حقوق پامال ہوں۔ آزادی کا مطلب حقوق و فرائض کے مابین ایک ربط اور توازن ہے۔ حقوق سے مراد آپ کی اپنی آزادی ہے اور فرائض سے مراد کسی دوسرے کی آزادی کی حفاظت کرنا ہے۔ سامراجی جاگیردارانہ اور سرمایہ دارنہ قوانین صرف چند لوگوں کی آزادی کے ضامن ہوتے ہیں۔ جس لمحہ جس دن لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی وہ دن انقلاب کا دن ہو گا۔ جب تمام مردہ اداروں میں جان ڈالنے کے لئے عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اٹھ کھڑا ہو گا اور پھر جب لوگ قوانین کو اپنے

ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور تب عوام کے لئے مسائل کا حل اور راہیں کھل جاتی ہیں۔ لوٹنے والے بالائی طبقات کی یہ بے لگام آزادی یہ آزادی لاتعداد لوگوں کے حقوق غصب کرتی چلی جاتی ہے۔ ان کے ہر آگے بڑھتے قدم کے ساتھ آگ اور انگارے جنم لے رہے ہیں جو کہ انقلاب کی صورت ان کی موت کا باعث بنے گی۔

حصول انصاف کا تیسرا نقطہ مختلف اقسام کے مفادات کے مابین ٹکراؤ جھگڑوں اور لڑائیوں میں فیصلے کرنا ہے۔ اس قسم کا حصول انصاف موجودہ نظام قانون پر بنیاد رکھتا ہے۔ یہ نظام حصول انصاف کا واضح صاف اور نظر آنے والا طریقہ ہے۔ تمام عدالتیں تھانے تمام لوگ اسی قسم کے انصاف کے لئے کوشاں اور سرگرداں ہیں۔ تمام اخبارات رسائل اور کتابیں اسی قسم کے انصاف کے بارے میں کاغذ کالے کر رہی ہیں۔ حالانکہ جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس کی اہمیت اور حیثیت بنیادی نہیں ہے بلکہ یہ ثانوی ہے۔ لیکن چونکہ اس قسم کا حصول انصاف سامراجی مفادات میں شامل ہے اس لئے سارے سماج کو اسی قسم کے سیاہ رنگ میں رنگ دیا گیا ہے اور حصول انصاف کے اس شعبے کو سماج اور معاشرے کا ناگزیر ڈھانچہ بنا دیا گیا ہے ایسے نظام حصول عدل کو مضبوط بنیادوں پر جما دیا گیا ہے اور لاتعداد افراد کے حصول روزگار کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے اور ان کتوں کو بھوکا رکھا گیا ہے تاکہ یہ اپنے شکار کی جلد چیر پھاڑ کر کے برابر کر دیں۔ یہ سارا نظام لوگوں کو عبرت ناک سزا کے طور پر ان کے سروں پر وارد کر دیا گیا ہے۔ لوگ عدالتوں میں اپنی عمریں اور جائیدادیں گنوا کے جاتے ہیں۔

انصاف اور عدل تو پاکیزہ نام ہے مگر یہاں سماج کے سب سے بڑی ڈاکو جمع جتھہ بنائے بیٹھے ہیں۔ تمام عدالتیں اور پولیس لوٹوں کے جھگڑے نپٹانے پر لگے ہوئے ہیں ایسے جھگڑے جو کہ لوٹ کھسوٹ کے منصوبہ بند نظام کے ذریعے لوگوں میں پیدا کئے جاتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ عدالتیں اقرباء نوازی کرتی ہیں اور رشوتیں لیتی ہیں۔ پولیس منظم ڈاکے ڈلواتی ہے۔ کونسا جرم کونسا انصاف۔ یہ عدالتوں کا نظام حصول انصاف کے لئے نہیں ہے یہ تو حصول روزگار ہے یہ قوم کے ملازم نہیں غلاموں کے حکمران ہیں۔ کفن چور قبریں کھودنے والا گورکن اور کفن سینے والوں کے روزگار کی طرح جتنی اموات زیادہ ہوں گی ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے گھروں میں خوشحالی ہو گی۔ ہمارے سماج میں ڈاکٹر بھی اب پڑھے لکھے گورکن ہیں۔ بالکل ویسے ہی ہمارا نظام عدل ہے۔ سماج جرم اور بیماری کا شکار ہو تو یہ مفت خور طفیلی جراثیم پلتے بڑھتے پھلتے پھولتے ہیں۔ یہ جرم کو روکتے نہیں بلکہ منصوبہ بندی سے اس کی آبیاری کرتے ہیں۔

سوشل سائنس کے مطابق یہ حصول انصاف کی گھٹیا ترین شکل ہے۔ سماجی علوم کے مطابق جرائم وجہ نہیں ہے نہ ہی یہ سبب ہے یہ تو بیماری کا نتیجہ ہے۔ جب کسی انسان کو قتل کر دیا گیا تو اس شعبہ عدل نے کبھی کسی قتل ہونے والے کو زندگی واپس نہیں دی بلکہ ایک قتل کے بدلے لاتعداد قتل اس معاشرے کو دیئے۔ قاتل کو قتل کر کے مقتول اور قاتل کے وارثان کا معاشی قتل عدالتوں کی واردات ہے اور یہ عدالتیں ان کے یتیم بچوں کو ظالم جلاد قاتل معاشرے کے سپرد کر دیتے ہیں۔ مقتول کے لواحقین کے انتقام کی آگ کو بجھ جانے کو یہ انصاف کہتے ہیں۔ چور کا ہاتھ کاٹ دو معاشرے پر ایک بہت بھاری کم معزور انسان کا بوجھ ڈال دیا۔ اگر اس سزا کو انصاف کے ساتھ لاگو کر بھی دیا جائے تو تمام محلات میں بیٹھے انسانوں کے ہاتھ کٹے نظر آئیں گے۔ کٹہرے میں کھڑے چور کی جگہ جج ہاتھ کٹا ملے گا۔ سزاؤں کا لمبا سلسلہ جس سے اصلاح ممکن نہیں یہ صرف ایک کاروبار ہے کہ عدالتوں کی اینٹوں کو بھی نوٹ کھانے کی عادت ہے۔ جیسے بھیڑیں ذبح ہوئیں کھالوں کا کاروبار ہے، کھالوں والا کھال لے گیا گوشت والا گوشت اور ہڈیوں والا ہڈیاں لے گیا۔ انصاف کا ترازو دولت سے تولا جا رہا ہے۔ کیسا انصاف نہ سستا نہ بلدی عمر ہی کٹ جائے غریب کی۔

جیورٹس، نفسیات دان اور سماجی سائنس کے ماہرین نے کچھ اور ہی نتائج مرتب کئے ہیں۔ ان کے نزدیک حصول انصاف کی پہلی دو اقسام ہی بنیادی اہمیت رکھتی ہیں اور تیسری قسم کا حصول انصاف ان دو پہلی اقسام کے بغیر قابل عمل اور ممکن نہیں ہے۔ حصول انصاف کے پہلے دو نقاط معاشرہ پر ایسے صحت مند اثرات چھوڑتا ہے کہ انسان قتل ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ چوری نہیں ہوتی چور کا ہاتھ محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ خاندان کے بچے یتیم نہیں ہوں گے ہاں کسی اصلی مجرم کی سزا کی صورت میں اس سزا کی آتش اس کے خاندان

کو نہیں جلائے گی۔ ہمارا مقصد اس معاشرہ کو اصلاح دینا ہے۔ انسانوں کو بلاجواز بغیر قصور سزا دینا ہمارا مقصد نہیں۔ کٹھ پتلیوں کو سزا کی بھٹی میں پھینکنا یہ کیسا سامراجی کھیل ہے۔ ہمارے ملکوں میں جیلیں انسانیت کے جلتے ہوئے جہنم ہیں جہاں مجرموں کی جگہ مریض قید ہیں۔ اصل مجرم تو بڑے بڑے محلات میں بیٹھے ہم پر حکمرانی کر رہے ہیں۔

جورس پروڈنس کے مطابق حصول انصاف کا ایک چوتھا نقطہ یہ ہے کہ ہر تبدیلی کے ساتھ ایک مطابقت پیدا کی جائے۔ اگر کوئی فرد سماج یا معاشرہ اپنے آپ کو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نہیں ڈھالتا تو یہ بھی ناانصافی کی ایک بہت بڑی قسم ہے۔ آپ کے سائنسدانوں، فلسفیوں، اساتذہ، قائدین، رہنماؤں اور مفکرین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ پوری قوم کو جدید سائنسی علوم سے روشناس رکھیں، تہذیب و تمدن کے اعلیٰ معیار کے لئے ان علوم سے روشنی حاصل کریں۔ بین الاقوامی سطح پر معاشی، سائنسی، ادبی اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مقابلے کی ایک دوڑ ہے۔ اس دوڑ میں پیچھے رہ جانا ہی اپنی قوم اور اپنی نسل کو غلامی کی گود میں پھینک دینے کے مترادف ہے۔

ہمارے لئے انسانی اور اخلاقی قدروں کے چند رہنما اصول ہیں کہ وقت کے بدلتے تقاضے آپ سے عقل و فراست نشوونماء تبدیلی ترقی اور ارتقاء کی توقع رکھتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتواں باب

تصوریت اور مادیت

نئی دنیا اور نئی زندگی کی تعمیر کرنے والوں کو علم کے ہتھیاروں سے مسلح ہونا ہے کہ وہ دنیا میں ناانصافی اور استحصال کے بے رحم دھارے کو بدل سکیں۔ یونانی زبان میں فلیو کا مطلب پیار ہے اور سوفیا کا مطلب عقل ہے۔ فلیو سوفیا یعنی عقل سے پیار یعنی فلاسفی یا فلسفہ عقل اور علم سے پیار کئے بغیر ہم دنیا میں کامیابی کی جانب ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔ حقیقت کو حاصل کرنے کے لئے عقل دلیل منطق کے علم کی اشد ضرورت ہے۔ حساب اور ترتیب تمام سائنس اور فلسفہ کی ماں ہے۔ حساب اور ترتیب کو سمجھے بغیر ہم حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ اور حقیقت کو سمجھے بغیر انصاف کا حصول ممکن نہیں۔ اس دنیا میں بے انصاف ظالم اور لٹیرا صفت قوموں اور جتھوں کا طریق، خیالات اور باتیں افسانوی ہوتی ہیں۔ وہ حقیقت سے بھاگتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت جاننا انصاف کے حصول اور توازن کو خواہش دیتا ہے۔ استحصال کرنے والے سامراجی دلیل اور منطق سے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ دلیل منطق ان کے مفادات کے خلاف ہے۔ انسانی عدم مساوات اور ظلم و زیادتی کو قسمت سے منسوب کرکے رضائے الٰہی بنا دیتے ہیں۔ انہیں پریوں، جنوں، بھوت پریتوں، شہزادے، شہزادیوں محلات ہیرے جواہرات کی کہانیاں بہت پسند ہیں۔ رومانوی انداز بہت پسند ہے۔ حقیقت سے دور کی دنیا تصورات کی دنیا ان کی خواہش کی دنیا ان کے تحفظ کی دنیا ہے۔ افسانوی دنیا تصورات کی دنیا ان کی تمام ناانصافیوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ لیکن ہم آشفتہ سر روٹی کے ٹکڑے کی تلاش ایک ایک پل ایک ایک گھڑی گن کر گزارتے ہیں۔ ایک ایک اینٹ گن کر اس مزدور نے یہ عمارت بنائی ہے۔ روزگار کی تلاش میں چلتے چلتے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ قدموں کی گنتی یاد ہے مجھے کتنے چھالے پڑے تھے یہ گنتی بھی یاد ہے۔ کتنے دن بھوک سے کاٹے یہ گنتی کہاں بھولے گی مجھے۔ دو دنیاؤں دو جہانوں کے دو فلسفے۔

مارکس نے لکھا ہے کہ دنیا میں کوئی فلسفہ غیر جانبدار نہیں ہوتا یہ کسی نہ کسی طبقے کا محافظ ہوتا ہے اور اس کے مفادات کا ترجمان ہوتا ہے اور اس طبقہ کے مقصد کے حصول کے لئے خدمت سرانجام دیتا ہے۔

تاریخ میں دو قسم کے فلسفے پائے جاتے ہیں اور اسی لحاظ سے تمام فلسفی دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ فلسفیوں کا ایک گروہ تصوریت یعنی کہ IDEALISM کا قائل ہے دوسرا گروہ مادیت یعنی کہ MATERIALISM پر یقین رکھتا ہے۔ تصوریت سے مراد قیاس، خیالی، مثالی، تصوری فکری اور عقلی ہے۔ تصوریت کے فلسفے کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ دنیا خیال کا ایک عکس ہے اور یہ دنیا حقیقی نہیں بلکہ جو کچھ ہمیں نظر آرہا ہے یہ فریب اور دھوکا ہے اور یہ اس کا حقیقی وجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس اور مخالف فلسفہ کو MATERIALISM کہتے ہیں جس کے لغوی معنی مادی، جسمانی، ضروری، حقیقی، سامان، مواد اور معنوی کے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق جو دنیا ہم محسوس کر رہے ہیں یہ صرف مادہ ہی ہے اور عقل فکر شعور ارادہ مادے کے مظاہر ہیں۔ ہمارے معاشرے میں سامراجی سیاست نے تشہیر و تبلیغ کے ذریعے تصوریت اور مادیت کے اصل معنی بیان نہ کئے ہیں اور ان کی شکل اور تشریح کو بگاڑ کر بیان کیا ہے۔ سامراجی تشہیر نے ہمیں بتلایا ہے کہ تصوریت یا IDEALISM کے معنی ایک ایسا انسان جو انتہائی بے لوث، مخلص، وفادار اور جو خلوص کے ساتھ کسی مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہو اسے IDEALIST کہتے ہیں اور مادیت پرست یا MATERIALIST کے معنی یہ لئے جاتے ہیں جو کہ ذاتی مفاد پرست ہو اور صرف اپنی ذات کے حوالے سے سوچتا ہو مفاد پرستی لالچ، ہوس، عیاشی، تعیش کھانوں کا شوقین توند بڑھانے والا غرور کرنے والا اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے والا، منافع خوری کرنے والا، بھوک مٹانے والا، شرابی کبابی اپنی ہی خوشیوں اور خواہشات کا خیال رکھنے والا حالانکہ یہ مادیت MATERIALISM کے معنی نہیں ہیں۔ یہ جاگیردار سامراج اور سرمایہ داروں کا مادیت کے خلاف پرفریب اور جھوٹی وحشیانہ تبلیغ و تشہیر اور پراپیگنڈہ ہے۔ مادیت کا یہ وہ فلسفہ ہے جس پر کہ حقیقی جمہوریت اور سوشلزم کی بنیاد قائم ہے اس کو اتنے گھٹیا معنی دے کر سوشلزم کی شکل مسخ کرنے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوشش کی گئی ہے۔

ان دو قسم کے فلسفوں کو سمجھنے کے لئے ہمیں اس بات کے سمجھنے کی اشد ضرورت ہے کہ اس دنیا میں دو قسم کے مظاہر قدرت ہیں۔

(1) مادی جسمانی (2) روحانی یا غیر جسمانی

پتھر، لکڑی کا ٹکڑا، روشنی کی شعاعیں، پانی ہوا یہ سب کے سب مادی مظاہر قدرت ہیں۔ جبکہ سوچ، جذبات اور خواہشات یہ سب روحانی یا تصوریت پر بنیاد رکھتی ہیں۔ ہر وہ چیز جسے ہم حواس خمسہ (یعنی کہ دیکھنے کی حس، سننے کی حس، سونگھنے کی حس، چکھنے کی حس اور چھونے کی حس) سے محسوس کر سکتے ہیں مادی کہلاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو قسم کے مظاہر فطرت آپس میں کس طرح ملے ہوئے ہیں ان کا آپس کا کیا رشتہ ہے۔ ان میں سے بنیادی کون سا ہے اور کون کس پر سہارا کئے ہوا ہے، کون سی چیز پہلے اور کون سی بعد میں ہے؟ پہلے مادہ، وجود اور فطرت تھی یا کہ زندگی، جان، ذہن یا شعور تھا۔ کیا ذہن، شعور اور زندگی نے مادہ کو پیدا کیا اور تمام کائنات بنائی یا کہ پھر مادہ پہلے تھا اور مادہ نے ذہن، شعور خیال جذبات اور زندگی کو پیدا کیا؟

فلسفے کا یہی وہ سب سے بنیادی اور اہم ترین سوال ہے جس نے کہ ساری دنیا کے تمام مکاتب فکر کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

ان دو گروہوں میں سے ایک کا کہنا ہے کہ مادہ MATTER بنیادی ہے اور پہلے تھا جبکہ زندگی جان اور ذہن یہ سب بعد میں مادہ نے پیدا کئے ہیں۔ ایسے فلسفیوں کا گروپ MATERIALIST مادیت کے ماننے والوں کا کہلاتا ہے۔ ان کے مطابق مادہ ہی وہ تمام حالات پیدا کرتا ہے جس سے کہ باقی کی ہر چیز پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا فلسفیوں کا گروپ یہ کہتا ہے کہ ذہن جان زندگی اور روح پہلے تھی اور اس نے مادہ کو پیدا کیا ہے اور مادہ بعد میں آیا ہے۔ ان فلسفیوں کے مطابق ذہن زندگی شعور خیال مادہ سے پہلے تھا۔ لہٰذا ان کے مطابق تمام کائنات ایک روحانی طاقت کی پیداوار ہے ان فلسفیوں کا گروپ IDEALIST کہلاتا ہے۔ ان کے مطابق خیالات، سوچ اور شعور نے موجودہ تمام اجسام اور کائنات کے وجود کی بنیاد

رکھی۔ یہ وہ دو کیمپ ہیں۔ مادیت کے فلسفیوں کا کیمپ اور تصوریت کے فلسفیوں کا کیمپ۔ یہ دو کیمپ تاریخ میں ایک دوسرے سے لڑتے رہے ہیں۔

سائنس کی بنیاد مادی ہے جس میں کہ ہر بچہ سوال کر سکتا ہے اور اس کا جواب تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں اسے مل جاتا ہے۔ اس دنیا مین تجربات کی دنیا میں صرف اور صرف مادیت ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ سوشلزم کی بنیاد بھی سائنس اور مادیت پر ہی ہے۔ سائنس کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ کائنات میں کسی بھی شے کو دوام یا ہمیشگی حاصل نہیں ہے بلکہ صرف مادہ کی حرکات و سکنات ہیں۔

☆ ☆ ☆

محکم دلائل سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھواں باب

جمہوریت

تقریباً دس ہزار سال کی تاریخ سے پہلے واقعات و حالات دھند میں گم ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی ادوار میں عدم مساوات، حقوق کا غصب ہونا، انسانی قتل، ڈاکہ، چوری اور خونریزی ایک عام سی بات تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ علم کی سطح بلند ہوئی اور شعور کی ترقی سے اس بات کا احساس ہوا کہ دوسرے انسان بھی ہم جیسے ہیں ان کی ضرورتیں بھی ہم جیسی ہیں۔ ان کے معصوم بچے بالکل ویسے ہی ہیں جیسے کہ ہمارے بچے مگر دوسروں کا احساس خیرات تک ہی محدود رہا۔ اگر میں لاکھوں روپے کا مالک ہوں تو چند ٹکے خیرات کر دی۔ اس طرح دوسرے دوستوں سے داد تحسین بھی لے لی اور اللہ کی خوشنودی بھی۔ لیکن جب لٹنے والے طبقات نے یہ خود سوچا کہ ہم بھی تو انسان ہیں تو پھر ہمارا استحصال کیوں؟ ساری تعمیر ہم سے منسوب ہے، سارا کام تو ہم کرتے ہیں۔ اس سوچ نے انسانوں کو اپنے حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کے لئے ابھارا اور وہ آپس میں اپنے مسائل کے حل کے لئے مل بیٹھے۔

تاریخ کے ابتدائی ایام قبائلی دور میں انسان بے پناہ ظلم کا شکار تھا۔ جاگیرداری کے دور میں بھی انسانیت پر ہونے والے مظالم تاریخ کے سینے پر کنندہ ہیں۔ یونان کے دور میں جمہوریت کی ابتدا ہوئی اور پھر روم کے دور میں جمہوریت کے فلسفہ پر کافی سوچ بچار ہوئی۔

ڈیمو کا مطلب لوگ عوام یا جمہور ہے اور کرائٹس کا مطلب حکمرانی ہے۔ ڈیموکریسی کا مطلب لوگوں کی حکمرانی ہے یعنی کہ جمہور کی حکومت عوام کی حکومت۔ فرعون مصر سے لے کر قیصر روم تک کی تاریخ نے جمہوریت کے بیج بوئے۔ ان ادوار کی جمہوریت اپنے معنی اپنے حوالوں سے رکھتی ہے۔ وہاں کے بادشاہ خداؤں کے اوتار مطلق العنان تھے۔ یک زبان سر قلم یہی تھا دستور۔ اس وقت کی جمہوریت کچھ اس طرح شروع ہوئی کہ بادشاہ سلامت اور لوگوں کے درمیان ایک رابطہ کی ضرورت تھی۔ بادشاہ سلامت نے اپنے چند

درباریوں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے اجتماعات کے پاس جائیں اور ان کی باتیں سن کر ان کا مئوقف بادشاہ سلامت کے حضور میں پیش کیا جائے۔ بادشاہ سلامت کا یہ درباری لوگوں کا نمائندہ بھی ہوتا اور بادشاہ کی ایماء پر بادشاہ کا حکم بھی ان لوگوں کو بتا دیتا۔ اس طریقے سے بادشاہ سلامت کو لوگوں کی رائے کا علم ہو جاتا۔ یہ صرف اطلاع موصول کرنے اور حکم دینے کا ایک ذریعہ تھا۔ بادشاہ جو بھی حکم دیتا لوگوں کو اس کا پابند رہنا پڑتا۔ آج بھی اگر ذرا غور سے مطالعہ کیا جائے تو سامراجی حکومتوں نے اسی قسم کی جمہوریت تیسری دنیا جو کہ درحقیقت ان کی نو آبادیات ہیں وہاں لاگو کر رکھی ہے اور قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران کی حیثیت انہی درباریوں جیسی ہے جو فرعون مصر یا قیصر روم کے پیغام رساں تھے۔

تاریخ کا پہیہ یونانی اور رومی دور کے فاصلے طے کرتا ہوا آگے کی طرف بڑھتا ہے اور جمہوریت دو رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ جمہوریت کی ایک شاخ پورے اس نظام پر سہارا رکھے ہوئے ہے جسے کہ ہم درباری نظام کہتے ہیں بادشاہ سلامت کا دربار اور اس کے درباری یہ لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور لوگوں کے نمائندے بن کر دربار میں فرشی سلام کرتے ہیں۔ آج بھی یہ نظام پوری چمک دمک کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ جمہوریت کی دوسری شاخ بھی ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے آج ایک ترقی یافتہ اور باشعور نظریے کے مقام پر پہنچ چکی ہے۔ جمہوریت کی اس شاخ کا تعلق نہ تو کسی درباری سے ہے اور نہ ہی کسی قومی یا صوبائی اسمبلیوں کے نمائندہ سے ہے۔ اس کا تعلق خالصتاً لوگوں سے اور عوام سے ہے۔ یونانی دور میں لوگوں کو جمع ہو کر سوچ بچار کے ذریعے دیئے گئے جمہوری حق نے اپنا قدم آگے کی طرف بڑھایا۔ کیونکہ لوگوں کو جمع ہونے اور بات چیت کے دیئے گئے اس حق سے مراد ایسے ڈھانچے کی تعمیر ہے جو کہ آنے والے وقتوں میں اعلیٰ تنظیم اور اعلیٰ سوچ کی بنیاد رکھ سکے۔ پسے ہوئے مظلوم عوام اور لوگوں کے حقوق کے حصول اور شعور کی بیداری اسی اجتماع کا ایک فطری نتیجہ تھا۔ جس طرح دو قسم کے مکاتب فکر نے دو اقسام کے فلسفہ کو جنم دیا اور نتیجہ کے طور پر دو ہی قسم کے نظاموں نے اس کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بالکل اسی طرح جمہوریت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک جمہوریت درباری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمہوریت تھی اور دوسری جمہوریت عوامی تھی۔ چونکہ جمہوریت کا مطلب عوام کا راج ہے۔ اس معنوں کی روشنی میں درباری جمہوریت ایک تضاد ہے ایسا تضاد کہ ہم کہیں کہ رحم دل ظلم یا تاریک سورج جمہوریت درباری نہیں ہو سکتی یہ فریب اور دھوکا ہے۔ سامراج کی یہ جمہوریت جعلی اور فرضی ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق ہرگز عوام سے نہیں ہے۔ عوام کی ضرورت سامراج کو بھی ہے کیونکہ آبادیاں اور لوگوں کے کثیر ہجوم ہی طاقت پیداوار اور دولت کا سرچشمہ ہیں۔ لہٰذا سامراج نے عوام کو اور پوری دنیا کے لوگوں کو ورغلایا، دھوکا دیا اور جمہوریت کے سینے میں خنجر پیوست کرکے اس کو موت کی نیند سلانے کی کوشش کی اور اپنے ممالک میں اور اپنی کالونی کے اندر اصلی جمہوریت کو دفن کرکے درباری جعلی فرضی کھوکھلی جمہوریت کا انعقاد کر دیا۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ عوام کے خادم ہیں۔ یہ دعویٰ ایک تشہیر ہے اور سطحی تبلیغ کے علاوہ اس کے کوئی معنی نہیں صرف زبانی آزادی بہلاوے پھسلاوے تک یہ محدود ہے۔ چونکہ سامراج بے پناہ وسائل کا مالک ہوتا ہے۔ اس لئے تشہیر و تبلیغ کے تمام ادارے اس کے زر خرید ہوتے ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، سکول، کالج، یونیورسٹیاں، فوج، پولیس، سیاست دان، اخبارات، مذہبی رہبر، وکیل، عدالتیں، پادری، گرجا گھر، ان کے تنخواہ دار ملازم بنے۔ چاندی کے چند سکوں کے عوض یہ سارے اس نظام کے مددگار اور حمایتی بنے۔ یہ سب اس نظام کے حمایتی بن گئے۔ جو نظام کہ انسانیت کے لہو پر پلتا ہے۔ خون کی یہ چاٹ ان کے منہ کو تھوڑی سی لگا دی گئی تو بہتے خون کے لئے ان کا دل سرد اور آنکھیں پتھر کی ہو گئیں۔ خاص طور پر تیسری دنیا کے عوام تک روشنی نہ پہنچنے دی گئی۔ اس طرح یہاں کے لوگوں کو اندھا کر دیا گیا۔ جنگل راج قائم ہوا۔ غریب لوگ یہ سوچنے لگے کہ دنیا یہی ہے۔ اندھا راج اندھیر نگری! لوگوں نے بھی اسی جنگل کے قانون کو مان لیا۔ اس طرح لوٹ کھسوٹ کی اوپر سے لے کر نیچے تک آتی ہوئی ایک لمبی زنجیر بن گئی۔ جس میں کہ ہم سب بندھ گئے اور اپنی آنے والی نسلوں کو بھوک ننگ کے خونی اژدہا کے سپرد کر دیا۔ چند ٹکڑوں کے عوض ہم نے پوری انسانیت کا گلا کاٹ دیا، اپنے بچوں کی خاطر پوری نسل انسانی کو غارت گری کے دہانے پر کھڑا کر دیا۔ سامراج کا

یہ دعویٰ ہے کہ وہ جمہوریت کے علمبردار ہیں اور آزادی چاہتے ہیں۔

جمہوریت کی ایک شاخ جس کو ہم درباری جمہوریت کہتے ہیں، اس کے بالکل برعکس لوگوں اور عوام کے اجتماعات اور سوچ کے اندر دوسری حقیقی جمہوریت نے بھی اپنا رنگ دکھایا۔ ایسی جمہوریت کے نمائندگان نے ان کے فلسفیوں اور وکیلوں نے پہلی قسم کی جمہوریت کو چیلنج کر دیا۔ یہ دو اقسام کی جمہوریت ان کے مابین ایک جنگ چھڑ گئی۔ اب ہمیں اس بات کا تعین کرنا ہے کہ اصلی جمہوریت کون سی ہے۔ اس کا جواب تو جمہوریت کے لفظ کے اندر ہی چھپا ہوا ہے۔

ہمارے لئے یہ بات اشد ضروری ہے کہ جمہوریت کے اصلی معنی سمجھنے کے لئے کچھ بنیادی اصطلاحات کی تشریح کریں۔ سب سے پہلی بات کہ روپیہ کیا ہے؟ دوسری بات آزادی کیا ہے؟ تیسری بات لوگوں کے عوض نمائندگی یا لوگوں کی نمائندگی کے کیا معنی ہیں؟ چوتھی بات لوگوں کے بجائے حکمرانی اور لوگوں کی حکمرانی ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

سامراجی جمہوریت فرضی جمہوریت ہے

سیاسی نظام، معاشی نظام سے پیدا ہوتا ہے۔ ذرائع پیداوار اور پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں سے ہی سیاسی خیالات اور نظریات بنتے ہیں۔ یہ سیاسی نظریات اپنے مختلف طبقات کے مفادات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ سیاست مختلف طبقات کے مابین اپنے اپنے مفادات اور حقوق کے حصول کی جدوجہد ہے۔ چیئرمین ماؤ نے اس جدوجہد کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سیاست خونریزی کے بغیر ایک جنگ ہے اور جنگ خونریز سیاست ہے۔ سیاست میں ٹکراتے ہوئے طبقاتی مفادات کی جدوجہد نظر آتی ہے اور اگر یہ تضادات باہمی گفت و شنید سے حل نہ ہو سکیں اور یہ تضاد شدید ہو جائے تو پھر یہ جنگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ درباری جمہوریت کی معاشی بنیاد جاگیرداری اور سرمایہ داری ہوتی ہے۔ ایسی جمہوریت کا سیاسی رنگ بھی استحصال فریب، دھوکہ دہی، ورغلانا، بہلانا، پھسلانا، جھوٹی تشہیر و تبلیغ کرکے گمراہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں کوئی الزام تراشی نہیں سرمایہ داری اور سامراجی ہوتی ہیں۔ آپ کو ان سب باتوں کا تجربہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہر صورت جمہوریت کے مختلف رنگوں کو سمجھنے کے لئے کچھ سادہ سی اصطلاحات کی تشریحات اشد ضروری ہیں۔ انسانی زندگی میں سانس کے بعد سب سے اہم بات پیاس اور بھوک ہے۔ کیونکہ زندگی کا اس پر مدار ہے۔ انسان کی بنیادی ضروریات کے حوالے سے اس کے مفادات تشکیل پاتے ہیں۔ سب سے زیادہ بنیادی ضرورت سانس ہے۔ جب سانس وافر مقدار میں میسر ہو تو اس کی انسانی ذہن میں نفسیاتی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پانی اور پیاس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور پھر روٹی اور بھوک یہ زندگی کی اہم ترین چیزیں ہیں جس کے بغیر زندگی قائم نہیں رہ سکتی لیکن ان کی وافر مقدار میسر ہونے کی صورت ان کی اہمیت ثانوی ہو جاتی ہے اور یہ پس منظر میں چلی جاتی ہیں۔ اس کے بعد کپڑا مکان سواری آزادی سیرو تفریح فنون لطیفہ ادب فلسفہ روحانیت سیاسی حکمرانی فتوحات کرنے کی امنگ کائنات کو مسخر کرنے کی خواہش مرحلہ وار یہ خواہشات درجہ بدرجہ جنم لیتی ہیں۔ اس زینے اور سیڑھی کا ہر پہلا قدم زیادہ اہمیت کا مقام رکھتا ہے اور بنیادی ہے۔ سیڑھی کے بعد والے قدم پہلے اقدام پر سہارا اور بنیاد رکھتے ہیں۔ انسان کی کم نظر تنگ ذہن اس بنیاد کو ہمیشہ لاپرواہی سے نظرانداز کر دیتا ہے۔ پہلی سیڑھی پر کھڑے انسانوں کو یہ جانور کہتا ہے اور اس کائنات میں اپنے جلتے لالچی حاسدارمانوں اور خواہشات کو اعلیٰ و ارفع قرار دیتا ہے جو کہ اپنی حیثیت سے ثانوی نسبتاً غیر ضروری مستعار اور جن کا انحصار پہلی کیفیات پر ہے۔ ان کو یہ بہت اہمیت دیتا ہے۔ اس طرح یہ اپنی ذات کو اپنے ذہن کے حوالے سے اعلیٰ و ارفع منفرد سمجھتا ہے۔ ساری کائنات، سب انسان اور یہ دنیا ایک طرف اور میں اکیلا ایک طرف! جس طرح ایک لکیر لاتعداد نقاط کے تعاون اور ہمہ گیریت سے بنتی ہے اسی طرح آپ کے ہر عمل ہر خیال ہر تخلیق کے پیچھے چھپے ہوئے لاتعداد اسباب جو کہ آپ کے قابو اور شعور سے بالا ہیں کار فرما ہیں۔

ہر سیاسی نظام معاشی نظام سے پیدا ہوتا ہے اور فرضی جمہوریت اور حقیقی جمہوریت درباری جمہوریت اور عوامی جمہوریت کے پس منظر میں میں چھپی وجوہات بھی معاشی ہیں۔ پھر یہ سوال کہ یہ معاش کیا ہے؟ یہ معاشی کیا ہے؟ انسان کی ضروریات کے حوالے سے ہی

اس کے مفادات وابستہ ہیں اور ان مفادات کے حوالے سے انسان کا رجحان تشکیل پاتا خیالات بنتے اور بگڑتے ہیں۔

جمہوریت کی تشریح جمہوریت کی روح اور جسم کو سمجھنے کے لئے ہمارے لئے یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ دولت کے کیا معانی ہیں۔ روپیہ کسی کہتے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہم لوہے کے گول سکے کو یا گورنمنٹ کے بینک سے چھاپے ہوئے نوٹ کو روپیہ یا دولت سمجھتے ہیں۔ یہ نظریہ یہ خیال یہ سوچ ہی سب سے بڑا ابلیس ہے۔ جس نے کہ سماج کو جنگ خونریزی جرم بیماری جہالت غفلت اور موت دی ہے اور اس گورنمنٹ نوٹ کو دولت سمجھتے ہوئے ہم دیوانہ وار اوپر سے یا نیچے سے ادھر سے یا ادھر سے ہر طرح ہر حال اس کو حاصل کرنے کے پیچھے ٹکریں مار رہے ہیں حالانکہ یہ دولت نہیں ہے۔ دولت کہیں اور ہے۔ یہ تو افراط زر ہے۔ اس میں تو انسانی خون شامل ہے۔ یہ تمہیں موت کی وادی کی طرف دھکیل رہا ہے۔ جہاں قحط اور وباء تمہاری منتظر ہیں۔

اس روپے اس گول سکے اس چاندی اس کاغذ کے پرزے نے اور اس کے پیچھے جو نظریہ ہے اس نے انسان کو انسان کا دشمن بنا دیا ہے۔ اسی نے بھائی کو بھائی کا خون پینے کا طریقہ سکھایا۔ اسی نے ماں بیٹے بہن بھائی باپ بیٹا بہن بہن دوست اور دوست انسان اور انسان ان سب رشتوں کو توڑ ڈالا۔ یہ سماج ایک جنگل کی مانند ہو گیا جہاں جانور ریوڑ سے بچھڑ جائیں تو درندے اس کا شکار کر لیتے ہیں۔ ریچھ کی بھوک ہرن کی زندگی سے مٹ جائے گی۔

بھیڑیا خرگوش کو کھا لے گا۔ جہاں زندگی مستقل طور پر خطرے کی ایک للکار ہے۔ ہر لحظہ ہر آن موت اور زندگی کا کھیل رقصاں ہے۔

سوشلزم ہی وہ واحد سماجی سائنس ہے جس نے کہ حقیقتوں کو اپنے اصلی رنگ میں بیان کیا ہے۔ سوشلزم کے نزدیک دولت یا روپیہ کسی لوہے کا سکہ یا گورنمنٹ بینک سے چھاپا ہوا نوٹ نہیں ہے۔ سوشلزم کے نزدیک حقیقی دولت یا روپے کا مفہوم محنت ہے۔ جس کے ذریعے سے کہ معاشرے میں آپ یا تو پیداوار کرتے ہیں یا پھر ایسا تعمیری کام کرتے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس سے کہ معاشرہ فیضیاب ہوتا ہے۔ انسانوں کے اجتماعات کو جو فائدہ آپ کام کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔ تو یہ سماج یہ سوسائٹی آپ کو معاشرے کے نمائندگان یعنی کہ حکومت کی طرف سے آپ کو آپ کی محنت کے صلہ میں معاوضہ میں ایک سکہ یا بینک نوٹ دیتا ہے۔ اس نوٹ، کاغذ کے اس روپے کا مطلب حکومت کا آپ سے پیمان اور وعدہ ہے کہ آپ نے آٹھ گھنٹے کام کیا ہے۔ آپ نے محنت کی ہے۔ آپ نے اپنے جسم یا دماغ کو مشقت میں ڈالا ہے اور سماج کو تعمیر دی ہے۔ لہٰذا آپ کو یہ سو روپیہ اس کے عوض دیا جاتا ہے کہ یہ سو روپیہ آپ کی محنت کا اجر ہے۔ اس روپے کا مطلب ہے کہ یہ وہ نوٹ درحقیقت ایک مسودہ ہے ایک تحریری اور قانونی لکھا ہوا پیمان اور کاغذ ہے کہ آپ نے آٹھ گھنٹے محنت کی ہے اور آپ اپنی اس محنت سے کسی دوسرے فرد کی آٹھ گھنٹے کی محنت کے برابر اجر وصول کر سکتے ہیں یا اس آٹھ گھنٹے کی محنت سے آپ کسی دوسرے فرد سے آٹھ گھنٹے اپنے لئے کام اور محنت کروا سکتے ہیں۔ اس طرح بینک نوٹ کا مطلب سماج میں مختلف نوعیت اور اقسام کی محنت اور اس محنت سے پیدا شدہ اشیاء کے مابین ایک تبادلہ ہے۔ یہ ادلا بدلا ہے۔ یہ ایک چیز یا ایک قسم کی محنت اور دوسری چیز یا دوسری قسم کی محنت کے درمیان دین اور لین کا ذریعہ ہے۔ یہ سو روپیہ آپ کی محنت کا اجر ہے اور جب دل چاہے آپ اس کے ادلے بدلے میں مساوی محنت اشیاء اور ضروریات زندگی خریدیں یا اپنی من پسند جگہ پر خرچ لیں۔ ایک فرد نے ہل چلایا اناج اگایا دوسرے نے فیکٹری میں کام کیا کپڑا بنا، تیسرے نے طالبعلموں کو پڑھایا علم دیا چوتھے نے جوتا بنایا پانچویں نے ٹانگہ چلا کر سواریوں کو ان کی منزل تک پہنچایا، تو انسان کی مختلف ضروریات ہیں وہ اپنی محنت کے بدلے مختلف ضروریات کو حاصل کرتا ہے۔ ان ضروریات کے آپس میں ادلے بدلے کے لئے یہ سکہ یا نوٹ رائج ہوا کہ ہم محنت کو محنت کے ساتھ بدل سکیں۔ اس طرح لاتعداد پیشوں کے درمیان پیسہ ایک رابطہ ہے ایک توازن ہے اور ایک فرد سے دوسرے فرد کی ضرورت کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اب آپ ذرا پیسے کی اہمیت کا تصور کیجئے۔ یہ پیسہ نہیں ہے یہ آپ کے خون پسینے کی محنت ہے۔ یہ کاغذ لوہے کا بنا ہوا پیسہ یا روپیہ نہیں ہے۔ یہ آپ کی بھوک کا

علاج ہے، یہ آپ کے بچوں کی تعلیم کا دوسرا نام ہے، یہ آپ کی خوشیاں ہیں، یہ آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کے گھر مہمانوں نے آنا ہے، چائے چلے گی تو مہمان خوش ہوں گے۔ یہ پیسہ آپ کا گھر ہے، یہ پیسہ آپ کو علم دیتا ہے، ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے ذریعے آپ تک موسیقی خبریں تصویریں تفریحی پروگرام پہنچاتا ہے۔ پیسہ آپ کو وہ ماحول دیتا ہے جس سے کہ آپ کو سکون مل سکے۔ یہ آپ کو وہ مواقع فراہم کرتا ہے۔ جس سے کہ آپ سائنس کے میدان میں ایجادات کر سکیں یہ آپ کو سائنس کی قیمتی لیبارٹری دیتا ہے جہاں آپ نت نئے تجربات کر کے اس جہاں کو تخلیق دیتے ہیں۔ خالی پیٹ مصائب بڑھ جاتے ہیں۔ دنیا کا رنگ بدل جاتا ہے ہر طرف روٹی ہی روٹی نظر آتی ہے۔ پیٹ بھرا ہو تو روحانیت کی طرف بھی آپ رجوع کر سکتے ہیں۔ عظیم معیشت دان ایڈم سمتھ اجارہ داری کا شدید دشمن تھا۔ ایڈم سمتھ نے لکھا کہ اجارہ داری کا رواج کاروبار کے صحیح نظام کا بدترین دشمن ہے اور یہ آزادانہ مقابلہ میں رکاوٹ ہے۔

ایڈم سمتھ نے ذاتی نوکروں، چاکروں، اداکاروں، فنکاروں، پادریوں اور اسی قسم کے دوسرے لوگوں کو بھی غیر پیدا آور کہا ہے۔ پیسہ کو مارکس نے ہر چیز کی بنیاد قرار دیا ہے۔ پیسے سے متعلقہ علم ہی معیشت کہلاتا ہے۔ مارکس کے نزدیک آپ کے خیالات اور اخلاقیات آپ کی معاشیات پر انحصار کرتی ہیں۔ ارسطو نے اپنے معاشی نظریے میں لکھا ہے کہ اس کے نزدیک وہی چیزیں حقیقی دولت و ثروت کے اجزاء ہیں جن کی ضرورت زندگی میں پیش آتی ہے لیکن کوئی چیز دولت نہیں رہ سکتی اگر وہ ضرورت سے زیادہ مہیا کر لی جائے یا اس کی ساخت کی غرض یہ نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جائے۔ ارسطو نفع کی غرض سے تجارت کے خلاف تھا۔ ارسطو نے سود پر روپیہ قرض دینے کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا۔ اس سے دولت میں عدم توازن کو فروغ ملتا ہے اور مالی بے قاعدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

زینوفین نے کھیتی باڑی کی مدح کی تھی کہ یہ معاشی دولت کی بنیاد ہے۔ روم کے فلسفیوں میں فکر کی ان قدروں کی عکاسی ہوتی ہے جو زرعی اور فوجی معاشرے کی روایت سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے نزدیک روپے کو روپے کی خاطر محبوب سمجھنے یا دولت میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناجائز تفریق پیدا ہونے کی وجہ سے سماج کو گھن لگ جاتا ہے۔

جس لفظ کو معاشیات کہتے ہیں وہ قدیم یونانیوں کی زبان کے ایک لفظ اوئی کو مونوس سے بنا ہے اس لفظ کے معنی ہیں منزل یا گھربار۔ معاشرہ سماج یا فرد کی ترقی و خوشحالی اس کی صلاحیت اور اس کی محنت اور استعداد پر موقوف ہے۔ اسی طرح معاشی فکر میں زمانہ قدیم ہی سے کام کرنے کے اچھے اور برے طریقے وسائل کی تحسین اور مذمت اور نظم و صلاحیت کا احساس بھی شامل ہے۔ اس مین کسی جماعت یا گروہ کے مفادات کی نگرانی بھی شامل ہے کہ کارکردگی کے طریقوں اور پیداوار کی تقسیم کے سلسلے میں اقتصادی آراء کو تقریباً ہمیشہ سے اخلاقی ضوابط کے ساتھ وابستہ رکھا گیا ہے۔

افلاطون اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ پیداوار ہر مملکت کی بنیاد ہے۔ افلاطون کی مثالی حکومت میں حکمران طبقات کے لئے صرف اتنی جائیداد پر قابض رہنا مناسب ہے جس سے کہ صرف ان کی گذراوقات ہو سکے۔ افلاطون نے کاروباری لوگون کو سیاست میں دخل اندازی کی اجازت نہ دی ہے اس کے نزدیک سیاست صرف دانشمندوں اور فلسفیوں کا کام ہے اور کاروباری لوگ سیاست پر منفی اثرات چھوڑتے ہیں اور انسانیت کی خدمت کی بجائے سیاست کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرکے سماج اور معاشرے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ افلاطون کے نزدیک جائیداد کی مشترکہ ملکیت کا اصول عام طور پر رائج ہونا چاہیئے تھا۔

تاریخ کی صبح کے ان ادوار میں شروع ہی سے تمام اداروں پر ایک اخلاقی نظام عائد کرنے کی جستجو تھی۔ اس زمانے میں بھی معاشی نظریے اس کوشش سے پیدا ہوئے اور انہوں نے ایک مستقل نظام کی حیثیت میں نہیں بلکہ عام اخلاقی ضوابط کی روشنی میں یہ کاوش کی۔ یہ احساس کہ بعض پیشے غیر شریفانہ ہیں جو لوگوں کو حکومت یا دائرہ خدمت عوام میں حصہ لینے کے نااہل بنا دیتے ہیں اس میں وہ جسمانی مشقت بھی شامل ہے جو تھوڑی سی فرصت یا تعلیم حاصل کرنے کے موقع سے محروم کردے اور روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے روپے کو نصب العین بنالینا تمام برائیوں کی بنیادی جڑ ہے۔

انگریز فلسفی جان لاک (1632ء - 1704ء) نے انسانی زندگی اور انسانی آزادی کے

فطری حقوق پر زور دیا ہے۔ جائیداد کے حقوق وہ کہتا ہے کیونکہ ہر چیز کی قدر و قیمت اس کی محنت اور کوشش سے جانچی جاتی ہے جو کہ اس کے پیدا کرنے میں صرف ہوتی ہے اور ہر شخص کا یہ حق ہے کہ اپنی محنت کا پھل حاصل کرے۔

محنت کے برابر اجر یہ سوشلسٹ معیشت کی بنیاد ہے جسے کہ ہم بجا طور پر عدل کہہ سکتے ہیں۔ جب مزدور کدال اٹھائے یا پھر کسان کھیت میں ہل چلائے تو اس محنت کو ہی دولت کہتے ہیں جو کہ حقیقی دولت ہے یہ ایسی دولت ہے جو دنیا کو امن شانتی سکون خوشحالی اور انصاف دیتی ہے۔ یہ دولت سماج کو شر، فتنہ، خونریزی اور آگ سے بچاتی ہے۔ ایک آدمی نے ایک دن محنت کی اسے سو روپیہ ملا، کسی اور شخص نے دن رات کام کیا اسے دو سو روپیہ ملا کسی اور شخص نے دس دن کا کیا تو ہزار روپیہ ملا زیادہ ہنر والا کام کیا تو دو سو روپے روز کے ملے۔ محنت کا محنت کے درمیان ایک ناطہ ایک رشتہ، محنت کے رشتوں کے مابین توازن اور ادلے بدلے نے معاشیات کے علم کو جنم دیا۔ سرمایہ یا دولت جہاں محنت کا دوسرا نام ہے وہاں یہ ضرورت بھی ہے جیسے کہ ایک آدمی کے پاس سو روپیہ ہے تو اس سے اس کی ضروریات پوری ہوں گی وہ آدمی گھر آکر بیوی بچوں کو آٹا خرید کر دے گا۔ پھر بچوں کے کپڑے اور بچوں کی فیس اسی طرح بہت سی ضروریات زندگی! یہ روپیہ ایک ضرورت بھی ہے۔ روپیہ ایک طاقت ہے جس مین انسانی محنت اور قوت کا جن بند ہے۔ یہ الہ دین کا وہ چراغ ہے جس کے اندر دیوہیکل قوتیں قید ہیں۔ ایک ہزار روپے کا مطلب ہے کہ دس آدمیوں کی ایک دن کی محنت اس کی مٹھی میں بند ہے۔ اسی طرح جس کے پاس دس ہزار روپیہ ہے تو وہ سو آدمیوں کی طاقت ان کے ایک دن کے کام کی صلاحیت اس کے ہاتھ میں ہے اور جو لاکھوں کروڑوں روپوں کا مالک ہے وہ اپنے جلو مین بے پناہ انسانی قوت اور طاقت رکھتا ہے اور لوگوں کی ضروریات اس کے قبضے میں ہیں۔ چونکہ لوگوں کے خیالات رجحانات اور عقائد بھی ضروریات کے تابع ہیں لہٰذا ایسی صورت میں اس انسان کا قبضہ انسانوں پر ہے۔ جو کہ سرمایہ کا مالک اور وہ ایک عام آدمی کی نسبت ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ طاقت ور ہے اور اسی نسبت سے وہ لوگوں سے کام کروانے کی استطاعت رکھتا ہے۔ یہ وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی نظام ہے جس میں محنت کو بنیادی اکائی بنا کر روپے کو معنی دیئے جاتے ہیں۔ ایسی معیشت پر بنیاد رکھتے سماج کو سوشلسٹ سماج کہتے ہیں۔ جہاں پر انسان عقل، علم، دیانت اور محنت کی بنیاد پر اپنے درجات رکھتا ہے۔ سوشلزم کے نزدیک انسانی معاشرہ ایک فرد سے شروع ہوتا ہے اور یہ ایک فرد ایک جسم ہے اور بلا تفریق ہر فرد کی بنیادی ضروریات ہیں۔ لہٰذا سوشلزم کے نزدیک ہر انسانی جسم کی بنیادی ضروریات کی بہت اہمیت ہے۔ جو انسان اس دنیا میں آیا ہے بغیر کسی فرق کے اس کی ضروریات ایک جیسی ہیں۔ اور ہر انسان کا اس معاشرہ اور سماج کی طرف یہ حق ہے کہ اس کی بنیادی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ تاکہ وہ معاشرے میں ایک صحتمند انسان کا کردار ادا کر سکے اور پھر دوبارہ ہر انسان کی تخلیقی صلاحیتوں سے آنے والی نسلیں اور انسانیت فیضیاب ہو سکے۔

جمہوریت کے کیا معنی ہیں اور جمہوریت کا معیشت سے کیا تعلق؟ یہی سوال بے پناہ اہمیت کا حامل ہے۔ جمہوریت سے مراد عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنا دستور اور قانون بنائیں۔ ملکی سطح ملکی معاملات کا مکمل قابو اور اختیار عوام کا ہو۔ عوام اجتماعی طور پر فیصلے کرنے کی استطاعت اور اہلیت رکھتے ہوں۔ لوگ اپنی زندگیوں کے بارے میں خود فیصلہ کر سکیں۔ قومی سیاسی فیصلوں میں ان کا مکمل عمل اور دخل ہو اور ان کی علمی سطح شعوری سطح کا بھی یہ معیار ہو کہ وہ یہ سب کچھ کرنے کی مکمل اہلیت رکھتے ہوں۔

سوشلسٹ معاشرہ صحیح معنوں میں ایک آزاد معاشرہ ہے۔ سوشلسٹ معاشرہ میں ہر انسان آزاد ہے۔ کیونکہ آزادی کسی زبانی جمع خرچ کا نام نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ یا جاگیردارانہ اور سامراجی نظام میں آزادی ایک فریب ہے کیونکہ آزادی کسی زبانی جمع خرچ کا نام نہیں، ایسے سماج میں جہاں سرمایہ دارانہ معاشی رشتے قائم ہوں آزادی ایک دھوکہ کا نام ہے اس میں ایک حد تک زبانی باتیں کہی جاتی ہیں اور تقریر میں جو جی چاہے کہہ لوں مگر مجھ میں ان باتوں پر عمل درآمد کروانے یا عملی جامہ پہنانے کی طاقت اور استطاعت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے لئے ٹھوس مادی اور معاشی بنیادیں مجھے فراہم نہیں ہوتیں۔ اس معاشی آزادی پر باقی تمام دوسری آزادیاں سہارا رکھتی ہیں۔ جاگیردارانہ سرمایہ دارانہ نظام ہائے

زندگی میں لوگوں کی ضرورتوں کو قابو اور قید کر لیا جاتا ہے۔ ضرورتوں کے قید ہونے سے آزادیاں بھی پابۂ زنجیر ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ کی کوئی بھی ضرورت کسی دوسرے فرد کے تابع ہے تو آپ آزاد نہیں ہیں۔ معاشی آزادی کے بغیر سیاسی آزادی بے معنی چیز ہے۔ اس کے برعکس سوشلسٹ معاشرہ آپ کو جب حال اور مستقبل میں روٹی کپڑا مکان سواری تعلیم سیاسی معاملات میں شرکت کی ضمانت دے دیتا ہے اور آپ کی ضرورت کسی دوسرے فرد کے تابع نہ ہو تو پھر آپ ایک آزاد رائے رکھتے ہیں اور اگر آپ کا معاش یا روزگار کسی دوسرے فرد یا شخص کے تابع ہو تو آپ کی رائے بھی قید ہو جائے گی۔

ایسی معیشت جو محنت پر بنیاد رکھتی ہے اس سے مربوط ایسی جمہوریت جس میں انسان اس کی ضرورت اور اس کی رائے آزاد ہے سوشلزم کو جنم دیتی ہے اس کے برعکس لوٹ کھسوٹ کے معاشی نظام پر سہارا رکھتی ہوئی جمہوریت جہاں انسانوں کو ضرورت مند بنا کر ان کی ضروریات زندگی کو قید کر کے ان کی رائے کو مجبور کر کے ایک نظام پیدا کیا جاتا ہے یہ سیاسی نظام فریب ہے اور یہ دو قسم کی جمہوریتیں متصادم ہیں۔ ایک اور قسم کا معاشی نظام جس کی بنیاد ہی استحصال پر ہے اور ایسے استحصالی معاشی نظام سے پیدا شدہ جمہوریت درباری جمہوریت ہے اور عوام کے خلاف ایک سازش ہے جس میں کہ لوگوں کی تباہی و بربادی کا حکم ثبت ہے۔

مثال کے طور پر ایک کسان آدھا مربع زمین پر ہل چلا رہا ہے اور اپنی گذر اوقات کر رہا ہے۔ اس کے پاس اتنی ہی استطاعت ہے کہ وہ آدھے مربع زمین پر ہل چلائے اور کاشت کرے۔ ایک دوسرا شخص جاگیردار اپنے غلط ذرائع استعمال کر کے اپنے اثر و رسوخ اقرباء پروری رشوت ستانی یا غنڈہ گردی سے اپنی طاقت کے بل بوتے پر دس مربع زمین پر قابض ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس نے مزارعوں اور کھیت مزدوروں کو بلایا جن کے پاس کوئی زمین نہیں ہے۔ اس نے ان سے کہا تم میری زمین پر کام کرو گے چونکہ جاگیردار دس مربع زمین پر قابض ہے مگر وہ بذات خود آدھا مربع زمین سے زیادہ پر وہ ہل نہیں چلا سکتا جو فصل کھیت مزدوروں اور مزارعوں کی محنت سے اگتی ہے اس پر جاگیردار قابض ہو جاتا ہے۔ گرمی اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سردی کی شدت میں ہل چلانے والے کاشتکار کو دن اور رات فصل کی نگرانی اور آبیاری کرنے والے کسان کو کچھ نہیں ملتا۔ وہ دن رات محنت کرتا ہے اور جب فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے تو ایک غاصب اس پر آکر قبضہ کر لیتا ہے۔ اس ساری فصل کا مالک جاگیردار ہے اور اس میں سے مزارع کو اتنا حصہ ملتا ہے جس سے کہ وہ بمشکل زندگی قائم رکھ سکے زمین ایک ذریعہ پیداوار ہے۔ جب انسان کا وجود اس کرہ ارض پر نہیں تھا تو زمین تب بھی موجود تھی یہ زمین انسان کی موت کے بعد بھی رہتی ہے۔ جب انسان کا وجود مٹ جائے گا تب بھی یہ زمین رہے گی۔ یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں ہے ہاں اس زمین پر جو کوئی بھی محنت کرے اور اس زمین سے جو کچھ بھی پیدا کرے اس پر اس کا حق ہے جو کہ اس پر محنت کرے۔ زمین کی ملکیت کا نظریہ ہی کھلی لوٹ کا دوسرا نام ہے۔ زمین جو کہ ایک ذریعہ پیداوار ہے اس پر چند لوگوں نے قبضہ کر کے وسیع تر آبادیوں کی معیشت کو اپنے قابو میں کر لیا اور اس طرح انسانی ضرورت کو اپنی مٹھی میں بند کر لیا۔ زمین پر قبضہ کر کے جاگیرداروں نے جاگیرداری نظام پیدا کر کے انسانوں کے اجتماعات کی ضروریات کو اپنے تابع کر کے ان کی آزادی پر شب خون مارا۔ سوشلسٹ معیشت جس کا لین دین محنت کے بدلے محنت تھا اس کے توازن کو درہم برہم کر دیا۔ نظام عدل کا شیرازہ بکھر گیا۔ دن رات خون پسینہ کرنے والا کسان اس کو محنت اور ضرورت کی اکائی ایک سو روپیہ ملا۔ محنت نہ کرنے والے جاگیردار کو زمین اور جاگیر کی نسبت سے دس ہزار یا لاکھ یا کروڑ روپیہ ملا۔ اس طرح محنت اور ضرورت کی بے شمار اکائیوں کی طاقت دولت کی صورت ایک ہی لٹیرے کے پاس جمع ہو گئی۔ روپے کی یہ اکائیاں افرادی جمع شدہ طاقت ہے۔ دس ہزار انسانوں کی طاقت ایک ہی بازو میں جمع ہو گئی۔ جاگیردار کوئی محنت نہیں کرتا فارغ بیٹھا سازشیں تیار کرتا ہے۔ ظلم اور جرائم کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ سیاست میں بھی یہی حصہ لیتا ہے۔ سیاست ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ محنت کرنے والا ہاتھ دنیا کو تعمیر قرینہ حسن اور روٹی دینے والے ہاتھ مزدور کا ہاتھ مزارع کا ہاتھ یہ سب ایک ابلیس کے دروازے پر سر پٹکنے لگ جاتے ہیں کہ یہ جاگیردار ان سب کی ضرورتوں کا مالک ہے آقا ہے۔ اس معیشت سے ایک جمہوریت نے جنم لیا جس میں کہ

لاکھوں مزارعے کھیت مزدور اور ان کے خاندان آزاد نہیں ہیں بلکہ یہ سب غلام ہیں ایک ہی جاگیردار کے۔ صرف ایک جاگیردار آزاد ہے۔ یہ سب مزارعے اپنے اس جاگیردار کو اپنا نمائندہ منتخب کر کے اسمبلی میں بھیجتے ہیں جو کہ عوام کے لئے مزدوروں کے لئے لوگوں کے لئے قانون سازی کرتا ہے۔ جاگیردار ایسا قانون بناتا ہے جس سے کہ جاگیرداری نظام زندہ و پائندہ رہے انسانوں کے خون پر پلنے والے یہ سانپ بچھو جونکیں خوب بڑھیں پھلیں اور پھولیں۔

اسی طرح جیسے کہ زمین ایک ذریعہ پیداوار ہے ایسے ہی مشین بھی ایک ذریعہ پیداوار ہے۔ اس میں فیکٹری کا مالک وہی مقام رکھتا ہے اور اسی طرح مزدوروں کا خون نچوڑ لیتا ہے جیسے کہ جاگیردار اپنے مزارعوں کا۔ تمام مزدور غلام ہیں اور صرف ایک سرمایہ دار آزاد کیونکہ یہ مزدوروں کی ضرورت کو اپنے قابو میں رکھے ہوئے ہے اور اپنے بازوؤں میں لاکھوں انسانوں کی طاقت رکھتا ہے۔ اب جاگیردار اور سرمایہ دار ہی ملک کے سیاسی نظام پر قابض ہو جاتے ہیں اور لاکھوں کروڑوں مزدور مزارعے اور کسان اپنی کوئی رائے نہیں رکھتے۔ اسمبلیوں میں صرف جاگیردار اور سرمایہ دار ہی موجود ہیں اور اسی کو وہ جمہوریت کہتے ہیں۔ یہ جمہوریت لوگوں کے نام پر لوگوں کا ہی قتل عام ہے۔ قانون سازی کا حق صرف اوپر کے ان خونخوار طبقات کو ہے اور تمام قوانین جو اسمبلیوں میں بنتے ہیں وہ صرف ان کے مفادات کے لئے ہوتے ہیں۔

اب پھر یہ جاگیردار اور سرمایہ دار مل کر بڑے بڑے گروہ اور جتھے بنا لیتے ہیں۔ یہ جتھے اور گروہ جو کہ منظم طور پر ایک سکیم اور پلان کے تحت لوٹ مار کا بازار گرم رکھتے ہیں۔ اس جتھے کو یا اس GANG کو یعنی کہ مجرموں کے اس گروہ کو وہ سیاسی پارٹی کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ سیاست کے سوشلسٹ معنی عوامی حقوق کے لئے جدوجہد ہے۔ لیکن جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام میں سیاست کے معنی ایک کاروبار ہے اور ان کے نزدیک سیاسی پارٹی کا مطلب ڈاکوؤں کی ایسی تنظیم جو کہ قانونی طور پر استحصال اور لوٹ کو جاری و ساری رکھ سکے۔ لہٰذا تمام قوانین پر ان مجرم طبقات کی بالادستی کی چھاپ اور مہر ثبت کر دی جاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام قانون ساز ادارے عدلیہ انتظامیہ مذہبی رہنما یونیورسٹیاں صحافت سب کے سب ان کے مفادات کی حفاظت کے لئے باوردی دربان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مثال کے طور پر امریکی کالونی پاکستان کی مثال لے لیجئے یہاں کی سیاسی پارٹیوں کا کیا عکس ہے۔ ہمارے ملک کی بڑی بڑی سیاسی جماعتیں گھناؤنے انسانی جرائم کا ارتکاب کرتی ہیں۔ بظاہر یہ مذہب کا بہت راگ الاپتے ہیں کیونکہ ہمارے معاشرہ میں ایسا کرنا نیکی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ شیطان کے پجاری ہیں۔ یہ جماعتیں درحقیقت مقتل ہیں انسانی قتل گاہیں ہیں۔ مگر دھوکہ دینے کے لئے انہوں نے اپنے اچھے نام رکھ لئے ہیں تاکہ عام آدمی کی نفسیات مطمئن رہے اور لوگ خواہ مخواہ بلاوجہ ان کی فتح کا طرہ اپنے سر باندھ کر گلی بازار میں اتراتے پھریں اور اس طرح ان جاگیرداروں کے خلاف کسی قسم کی کوئی مزاحمت بھی نہ ہو۔ پھر بڑے بڑے دو ڈاکوؤں نے تین چار پانچ ڈاکو کہہ لیں انہوں نے ساری آبادی کو تقسیم کر لیا ہے۔ ایک ڈاکو کی فتح کی صورت میں آدھی عوام جو کہ نفسیاتی مریض بن چکی ہے اپنے آپ کو فاتح قرار پاتی ہے حالانکہ پارٹی کے فیصلوں میں نہ تو ان کا کوئی عمل دخل ہوتا ہے اور نہ ہی واسطہ۔

لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے جیسے جاگیرداروں کی سب سے بڑی جماعت نے اپنا نام پاکستان پیپلز پارٹی رکھ لیا یا پھر سرمایہ داروں کی سب سے بڑی جماعت نے اپنا نام پاکستان مسلم لیگ رکھا ہے۔ حالانکہ نہ تو اس کا تعلق پیپلز سے ہے اور نہ ہی دوسری جماعت کا تعلق اسلام سے ہے۔ یہ دونوں ہی سیاست میں دھوکہ دہی اور لوٹ کھسوٹ کے علمبردار ہیں۔ اس پارٹی کے نزدیک پیپلز کا مطلب لوگوں کے جوتے لوگوں کے سر۔ اگر کوئی ان کا غریب کارکن یہ اپنی قائد سے کہہ دے میں نظریاتی ہوں دانشور ہوں بے پناہ قربانیاں دی ہیں اسمبلی کے ٹکٹ کا مستحق ہوں اس سوال کا بل بانہ میں جواب قیمت بیس ہزار روپیہ۔

آٹا بہت مہنگا ہو گیا ہے۔ غریب پیپلز کیا کرے بھوک سے مر رہا ہے۔ جب خود حکومت میں آئیں تو آٹا بم عوام پر مارا۔

یہ دونوں جماعتیں منافقین کا ٹولہ میکاؤلی کے پیروکار ہیں۔ زبان پر تسبیح ہاتھ میں تسبیح

مگر عمل انتہائی مکروہ۔ زبان ہمیشہ نرم رکھو اور عمل ہمیشہ سخت اسی کو کامیاب سیاست کہتے ہیں۔

ہمیں قومی بجٹ کی کوئی پرواہ نہیں یہ ہمیں آئی ایم ایف دیگی خارجہ پالیسی وہ تو طے شدہ ہے۔ امریکہ کی غلامی داخلی معاملات وہ بھی حل ہو چکے مکمل آزادی جو کسی کے جی میں آئے کر لے۔ بھیڑیئے کو بھی آزادی بھیڑ کو بھی آزادی ہے۔ حتیٰ کہ تمام اداروں کو بھی ڈاکہ زنی کی مکمل آزادی کیونکہ ہم ایک آزاد ریاست ہیں۔ عدلیہ کو رشوت کی آزادی اسمبلیوں کے ممبران کو ہیروئن سمگلنگ، گینگ ریپ اور سیاسی رشوتیں لینے کی آزادی۔ پولیس کو منظم ڈاکے ڈالنے کی آزادی صحافیوں کو پیسے لے کر لکھنے کی آزادی۔ جرنیلوں کو ملکی سطح پر کچھ لو اور دو کے معاملات طے کرنے ہیں۔

پاکستان صحیح معنوں میں ایک آزاد معاشرہ ہے۔ خزانے کی رہی بات اس کی فکر کیوں ایک منٹ میں بھر جاتا ہے۔ ٹیلیفون کے بل بجلی سوئی گیس پانی کے بل دگنے بھیج دو۔ جگا ٹیکس وصول کر لو خزانہ بھر جائے گا۔ یہاں کے صدر لٹیرے وزیر ڈاکو اور رہزن ادارے پاکستان مکمل انارکی ANARCHY کا شکار ہے۔ جہاں کا کوئی ادارہ صحیح سلامت قائم نہیں ہے۔ ویسی ہی اپوزیشن ہے بینک سے جعلی نوٹ چھپوا لئے۔ ریلوے کا انجن بھٹی میں پگھلا کر لوہے کے بھاؤ بیچ دیا۔ بہرصورت لاتعداد جرائم کس کس کا ذکر کریں پاکستان کو انہوں نے ایک لاش بنا دیا جو کہ کیڑوں سے بھری پڑی ہے۔ حتیٰ کہ لسانی اور علاقائی جھگڑے کھڑے کر کے تنظیمیں بنا کر عوامی قتل عام کروایا۔ HORSE TRADING تو اچھا لفظ ہے درحقیقت PIGS TRADERS ہیں یہ۔ لوٹ مار کے نت نئے طریقے انہوں نے اپنا کر رکھے ہیں۔

محنت کی معیشت اپنا سانس دم گھٹ کر مر رہی ہے۔ کیونکہ کلاشنکوف اور ہیروئن کی ایک معیشت نے جنم لے لیا ہے۔ ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملک کے انتہائی حساس ادارے اس کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ ہیروئن اور کلاشنکوف اسمگلنگ نے ملکی سطح پر ایک متوازی معیشت کا مقام حاصل کر لیا ہے۔ یہ ایک دوسری قسم کی معیشت ہے جو کہ ہمارے ملک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں رائج ہے۔ ہیروئن کلاشنکوف، ذخیرہ اندوزی، بلیک میلنگ، بھوک کے حالات پیدا کر کے سازشی کاروبار، لوٹ کھسوٹ، ڈاکہ زنی اور اقربا پروری سے پیدا شدہ دولت چار بحری جہاز پورٹ پر لگے ہیں تم ان کا سودا کر لو ایک دن میں چار کروڑ جیب میں آگیا اب اس لوٹ کھسوٹ کی معیشت کا محنت کی معیشت کے ساتھ کیا رشتہ ناطہ اور توازن ہے۔

ایک مزدور نے سارا دن کام کیا معاشرہ کو تعمیر دی اور ایک سو روپیہ کما لیا اور ایک دوسرے صاحب نے جو کہ کسی وزیر اعظم صدر یا سیاسی لیڈر کے حواری ساتھی عزیز یا دوست ہیں قوم کے خون میں زہر ملایا اور چار کروڑ جیب میں ڈال لیا۔

اب اس مزدور اور اس سرمایہ دار کا کیا رشتہ ہے اور ان دونوں کے لئے جمہوریت کیا ہے؟ وہی جو کہ ایک مقتول کا قاتل کے ساتھ وہی جو پھانسی پانے والے کا رسی کے ساتھ یا جلاد کے ساتھ۔ کام کرنا تو کمی کمین کا پیشہ ہے۔ بڑے لوگ کام نہیں کیا کرتے۔ ہر کام کرنے والے کی توہین کی گئی۔ کام کرنا ہی توہین سمجھا گیا۔ یہ نوکر ہے۔ کام کو حقیر جاننے سے محنت کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ معاشرہ کو تعمیر اور تخلیق دینے والے محنت کش کا کیا حال ہو گا؟

ان قومی جونکوں نے محنت کشوں سے بے پناہ کام لیا اور اجرت صرف اتنی دی کہ وہ بمشکل زندہ رہ سکے۔ محنت و مشقت اور کم اجرت کی وجہ سے بیماریوں نے اسے گھیر لیا۔ علم تک رسائی نہ ہو سکی جہالت گھر میں آگئی نفسیاتی مریض بن گیا ضروریات پوری نہ ہونے کی وجہ سے جرم کا بھی آلہ کار بنا۔ اس طرح وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا جو کہ الہ دین کے چراغ کی طرح دنیا میں رنگ حسن تعمیر تخلیق اور پیداوار کا منبع تھا اور اس معاشرہ کو صرف جرائم کی آماجگاہ بنا دیا گیا۔

سنگین عمل نے دو مخالف اور متحارب گروہوں کو جنم دیا۔ ان دو معاشی نظاموں میں ایک خونریز جنگ چھپی ہوئی ہے۔ ایک نے سماج کو دیانتداری محنت صداقت علم عقل تعمیر تخلیق اور زندگی دی جو کہ صرف محنت پر بنیاد رکھتی معیشت ہے اور دوسری معیشت نے معاشرے کے خون میں زہر گھول دیا۔ بددیانتی جہالت جرم سزا تباہی و بربادی سماج کو دی۔ یہ دو مخالف گروپوں کے درمیان ایک خونریز جنگ ہو گی کہ ظلم مٹ جائے کہ ناانصافی ناپید

ہو۔ انصاف کا راج اس دنیا پر قائم و دائم ہو تو جنگ مٹ جائے گی۔ جو کہ نسل انسانی کو اس کی اصل منزل حصول علم روشنی اور ترقی کی راہ پر گامزن کر دے گی۔ یہ دو متحارب گروہوں کی متحارب اقسام کی جمہوریت ہے۔

طبقات کی سیاسی جدوجہد کا انتہائی بامقصد انتہائی واضح، مقررہ اور مخصوص اظہار سیاسی پارٹیوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اوپر کے طبقات اپنے مفادات کی مکمل حفاظت کرتے ہیں۔ موقع پرستی جھوٹ اور فریب سے اپنی جماعت کو عوامی نام دیتے ہیں تاکہ پسے ہوئے لوگ دھوکہ میں رہیں کہ یہ ان کی اپنی پارٹی ہے۔ ایک ہی لوٹنے والے طبقہ کی بہت سی سیاسی پارٹیاں بن جاتی ہیں اور کروڑ پتی لوگ اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے یہ سیاسی پارٹیاں بناتے ہیں اور پھر ان پارٹیوں پر جھوٹے لیبل چسپاں کر دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً جمہوری ریپبلکن، لبرل، پروگریسو، مزدور کسان پیپلز وغیرہ وغیرہ۔ درحقیقت یہ نام اپنی طبقاتی خصوصیت اور وحشیانہ عمل کو چھپانے کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ تمام ذرائع پیداوار پر قبضہ کر کے عوامی معاشی استحصال لوٹ مار اور ہیروئن فروشی کی معیشت پر بنیاد رکھتا ہوا مضبوط سیاست کا اوپری ڈھانچہ بنتا ہے جو کہ ایک نئی تہذیب کو جنم دیتا ہے۔ ایسی سیاست اور تہذیب جرم کی پیداوار ہے۔ یہ تہذیب سارے معاشرے میں بدمعاشی اور بدکاری کے معیار قائم کر دیتی ہے۔ کوٹھی کار بنگلہ عورت شراب بے حیائی جواء اغواء سیاسی قتل جبر زنا اسی گندی تہذیب کا نتیجہ ہے۔ ایسی ہی تہذیب نے تمام عقل مند دانشمند باعلم اور باکردار لوگوں کو سیاست کی بساط سے باہر گھر بٹھا دیا ہے۔

دو قتل دو بن ہیروئن اس ماہ سمگل کی، اسلحہ کا کاروبار ہے، تین عورتیں اغواء کیں، گینگ ریپ کیا زناء بالجبر کیا اس سے اپنے کارندے بھی خوش ہو گئے اور دشمنی کی آگ بھی بجھ گئی۔ آپ کی قومی اسمبلی کا امیدوار مخلص اور باکردار نہ جھکنے والا نہ بکنے والا آپ کے سامنے موجود ہے ووٹ دیجئے لوٹا اسمبلی ایک جگہ بکی دوسرے نے قبول کی دونوں ہی مجرم ہیں۔ یہ ہے آپ کی جمہوریت سامراجی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی جعلی اور پرفریب جمہوریت ہماری اس ناجائز معیشت پر بنیاد رکھتی تہذیب نے بین الاقوامی رشتے جوڑے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح چھوٹے چھوٹے ملکی سطح کے اٹھائی گیروں نے بین الاقوامی سامراج لوٹ کھسوٹ کے بانی اور علمبردار امریکہ ڈاکو کے در پر سلامی دی۔ امریکی سامراج نے اپنے میزائلوں کے ذریعے ان لٹیروں کو تحفظ دیا کہ میرا حصہ تم پہنچاتے رہو اس میں کمی نہ آئے، اپنے ملک میں تم جو بھی تباہی مچاؤ یہ تمہاری اپنی صوابدید ہے۔ ہاں مشکل کے وقت جب کبھی ہمارے اس سامراجی نظام کو انقلابیوں غریبوں اور محنت کشوں سے خطرہ ہو گا تو میرے بحری بیڑے اور راکٹ تمہاری مدد کو پہنچیں گے۔

بین الاقوامی ڈرگ مافیا آپ کا رہبر اور رہنما ہے۔ آپ کے ملک کی تمام سیاست امریکہ کی لونڈی ہے جو کہ یہاں سے سب کچھ لوٹ کر لے جاتا ہے۔ یہاں کے سیاسی ڈاکوؤں ہمارے لیڈروں نے اس لوٹ کا تھوڑا سا حصہ لے کر سارا ملک امریکہ کے پاس گروی رکھا ہوا ہے۔ یہاں کے فوجی جرنیل صرف امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے سرگرم ہیں۔ اس کی ایک مثال جنرل ضیاء بھی ہیں جنہوں نے امریکہ کے کہنے پر فلسطینوں کے قتل عام میں حصہ لیا۔ صدام حسین کے خلاف افواج بھیجی گئیں۔ صدام کی جنگ کے دوران یہاں کی نام نہاد رہنما امریکہ بیٹھی ہوئی تھی۔ صدام غلط تھا یا صحیح تھا یہ ایک الگ بحث ہے لیکن پاکستانی افواج کا امریکہ کے حق میں صدام حسین کے خلاف صف آراء ہونا دنیائے اسلام کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ ہے اور امریکی وفاداری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ امریکہ جس نے ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کروایا اسی کی بیٹی امریکہ کی گود میں جا بیٹھی اور پھر امریکہ نے اس سازباز کے بعد جنرل ضیاء کو بھی قتل کروا دیا کیونکہ امریکہ نے ضیاء حکومت کو سوویت یونین کے خلاف استعمال کیا تھا اور استعمال ہو جانے کے صلے میں ضیاء الحق سے لاتعداد وعدے اور پیمان کئے تھے لیکن نہ رہے گا ضیاء اور نہ رہیں گے وعدے اور پیمان۔ امریکہ اپنے ایجنٹوں کی مدد سے کویت اور اس کے تیل پر قابض ہے۔ اب پاک بھارت کشیدگی سے فائدہ اٹھا کر کشمیر کی آزادی کے سلسلہ میں بھی امریکہ کشمیر پر گھات لگائے بیٹھا ہے۔ کشمیریوں کا موقف کہ وہ نہ صرف بھارت سے آزادی چاہتے ہیں بلکہ پاکستان کا آزاد کشمیر بھی ملا کر وہ کشمیر کو ایک نئی آزاد ریاست بنائیں گے۔ یہ آزاد ریاست اتنی آزاد ہو گی کہ جہاں سے ان کو فائدہ ملے

گا اسی کے یہ پاؤں چاٹیں گے۔ ظاہر ہے سب سے زیادہ فائدہ تو امریکہ سے ملے گا۔ اس طرح امریکہ کے لئے کشمیر کے اندر فوجی اڈے بنا کر پاک بھارت چین روس کے سینے پر مونگ دلنے کا ایک نادر موقع ہو گا۔ ہمارے رہنما ہمیں غلامی کی جانب لے جا رہے ہیں۔

جنگل کا قانون رائج ہے۔ آئین کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ سیاست مکمل سازشوں اور خرید و فروخت کا مرکز بن گئی ہے۔ قانون لاقانونیت میں بدل گیا ہے۔ اگر ہم بغور ان لیڈروں کے کردار کا مطالعہ کریں تو ہم ان سب کو ہرگز مختلف نہ پائیں گے۔ کیونکہ ہماری جمہوریت اور ہمارے لیڈر لوٹ کھسوٹ کے نظام ہی کی پیداوار ہیں۔ تمام لیڈر کروڑ پتی ہیں۔ لوگوں کے پاس کسی قسم کا کوئی انتخاب یا پسند کا حق یعنی کہ CHOICE نہیں ہے۔ اگر چار یا پانچ سیاسی پارٹیاں ہیں تو ان کے لیڈر سب کے سب خونخوار درندے ہیں۔ ایک ریچھ ہے دوسرا بھیڑیا ہے۔ تیسرا شکاری کتا ہے۔ چوتھا گینڈا اور پانچواں دریائی گھوڑا ہے۔ ان میں سے ہی آپ کو اپنا نمائندہ منتخب کرنا ہے۔ موجودہ جمہوریت آپ کو صرف اس حد تک انتخاب میں پسند کا حق دیتی ہے۔ ماضی میں موجودہ تمام قیادتوں کا کردار سیاہ رہا ہے۔ ذلت اور رسوائی کی دنیا سے ان کا تعلق ہے۔ کاروباری سیاست خاندانی رسہ کشی اقتدار کی حرص اور لالچ کے سوا آپ کو ان کی ذات میں کچھ نہ ملے گا۔ قومی مسائل ان کے اختلاف کی وجہ نہیں ہیں بلکہ ان کا جھگڑا لوٹ کے مال اور اس کی تقسیم پر ہے ان کی جمہوریت صرف مال کی تقسیم پر ہی مرکوز ہے۔ زبان پر انسانیت عمل میں درندگی۔ عوام کو بھوک دو، جہالت دو پھر ان بھکاریوں کو جو تمہارے دروازے پر کھڑے ہیں ان استعمال کرو یہ صرف روٹی کے چند ٹکڑوں کے عوض استعمال ہوں گے۔ چند سکوں پر بکنے والے سیاسی کارکنوں کی یہ جمہوریت ہے۔

جرنیل ہاتھ میں ڈنڈا لئے کہیں اور کے، وزیراعظم کسی پارٹی کا صدر کسی اور ایجنسی کا۔ پنجاب کی گورنمنٹ کسی اور پارٹی کی مختلف صوبوں پر علیحدہ علیحدہ قیادتیں پولیس کسی اور کی عدلیہ کسی اور کی۔ ایک اندرونی تضاد جنگ کشمکش بداعتمادی شک سازش بے یقینی الزام تراشی اپنے آپ کو جنگ کے قابل بنانے کے لئے اندھی لوٹ یہی ہے یہاں کی جمہوریت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور سیاست۔

امریکی جمہوریت یا سامراجی جمہوریت بہت آسان اور سیدھی سادھی ہے۔ ہمارے ملک میں پاکستان پیپلز پارٹی کا مقصد اس کا صرف ایک لیڈر ہے موجودہ وقت میں بے نظیر یا یوں سمجھ لیجئے کہ آنے والی کوئی اور کٹھ پتلی۔ پاکستان پیپلز پارٹی کا مطلب صرف بے نظیر ہے۔ مسلم لیگ صرف نواز شریف کا نام ہے یا مستقبل میں ایسی ہی عقل رکھنے والا فرد۔ فوج ایک جرنیل ہے، بیوروکریسی ایک صدر صرف ان چار افراد کا نام پاکستان ہے۔ ان کی پارٹیوں یا اداروں میں کسی ایک فرد کو بھی ان سے اختلاف رائے رکھنے کا حق نہیں ہے، اور نہ ہی کسی کو جرات ہے۔ امریکہ بہادر کے ساتھ وفاداری کے عوض میں حکمرانی ملتی ہے، وہ ان چار یا پانچ یا چھ افراد کو بلا کر جو حکم دیتا ہے وہ یہ بجالاتے ہیں اور مزید یہ افراد سامراج امریکہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ اس مقصد کے لئے اس ایجنسی کا اعلیٰ منصب انہیں دیا گیا۔ پچھلے دنوں امریکی ایجنٹ معین قریشی کو اقتدار میں لایا گیا کس آئین کے تحت یہ صاحب اقتدار میں آئے۔ ملک کا خون کشید کر کے یہ صاحب واپس امریکہ چلے گئے۔ کسی لیڈر نے کوئی اعتراض نہ کیا کہ کون سا قانون کون سا آئین سب لیڈر ایک ہی تھیلی کے چٹے اور بٹے۔ امریکہ کے مفاد میں یہ بات ہے کہ بڑے ہجوم یا ساری قوم میں چار یا پانچ سیاسی پارٹیوں یا گروہوں کا فیصلہ صرف چار یا پانچ یا چھ افراد کریں۔ ان افراد کو قائل کرنا ڈرانا دھمکانا یا خریدنا اس طرح ان کو ہڈی کے عوض قیادت میں لانا بہت آسان ہوتا ہے۔ ساری قوم سارا ملک ہم سب کی تقدیر ان چار یا پانچ وطن فروشوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ افراد امریکہ کی سی آئی اے کے بغیر اپنا مقام برقرار نہیں رکھ سکتے۔ یہ چاروں یا پانچوں لیڈر بہت بدکردار باوسائل اور بے ضمیر ہوتے ہیں۔ جب خون بہتا ہے تو یہ آنکھ بھی نہیں جھپکتے۔

ان کے لئے ہمارا ملک ان کی جاگیر ہے اور یہاں کے لوگ ان کے غلام یہ جمہوریت نہیں سفید جھوٹ ہے۔ جمہوریت کے معنی جمہور کا راج ہے۔ کتنی وضاحت سے جمہوریت کا انکار ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارے نمائندے نہیں ہیں بلکہ یہ اوپر سے ہمارے سر منڈھ دیئے

گئے ہیں یہ ان کی ذاتی سلطنت ہے اور سیاست ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ ان کے پاس کوئی قومی پروگرام یا پالیسی نہیں ہے کوئی معاشی پروگرام نہیں ہے۔ صرف ذاتی جھگڑے ہیں کہ اب لوٹنے کی باری کس کی ہے۔ سارا امریکی لوٹ کھسوٹ کا نظام ان لیڈروں کے ذریعے سے ہمارے ملک میں جڑیں پیوست کئے ہوئے ہے۔ انہوں نے ہمیں غربت افلاس جہالت بے روزگاری اور جرم دیا ہے۔ ان نام نہاد لیڈروں نے ایسی پالیسیوں کو اختیار کیا ہے جس سے کہ حکومتی ٹولہ مفاد پرست جونکیں اور نوکر شاہی کا قانون لوگوں کی آزادی علم اور حقوق پر حاوی رہے تاکہ دنیا بھر کے محنت کش عوام کی اور لوگوں کی محنت کو بین الاقوامی سامراج کی ترقی و طاقت کے لئے استعمال کیا جا سکے۔ ان سیاسی لیڈروں یعنی کہ لٹیروں کی پالیسی میں کوئی تضاد نہیں اور موجودہ قیادتوں کے ذریعے امریکہ ہمارے عوام کا خون پی رہا ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ سامراجی جمہوریت دھوکہ ہے فراڈ ہے۔ اسمبلیاں قحبہ خانے کے اڈے ہیں جہاں کہ قوم کا سودا کیا جاتا ہے، جہاں کہ ملک کے تمام سمگلر ڈیرہ لگائے بیٹھے ہیں اور اپنے ایک حکمران ڈاکو سردار کے حکم کا انتظار کرتے ہیں۔ ان چند لٹیروں کی قیادت سارے ملک کے ذہین اور دانشور لوگوں کے وجود سے انکار ہے۔ سارے ملک کو انہوں نے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے اور لوگوں کو آپس میں لڑتے ہوئے گروہوں میں تقسیم کیا ہوا ہے ان کا جرم سنگین ہے۔ یہ جمہوریت نہیں ہے یہ لاکھوں کروڑوں روپوں کا کاروبار ہے جس سے کہ ضمیر خریدے جاتے ہیں۔ جہاں ایک منڈی لگتی ہے، انسان بکتا ہے آنے والی نسلوں کا سودا ہوتا ہے۔ سیاسی عصمتیں بکتی ہیں بالکل جسمانی عصمتوں کی طرح۔ موجودہ جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے جو کہ ایک فریب ہے جھوٹ ہے اور ایک لعنت ہے جس نے کہ آپ کو تباہی و بربادی و غلامی دی ہے۔ سامراجی جمہوریت ہی ہر جرم اور برائی کی جڑ ہے کیونکہ ان اسمبلیوں کے ذریعے جو بھی قانون سازی ہوتی ہے وہ صرف اور صرف بالائی طبقات کے مفادات کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ یہ قانون ایک ایسی دیوار اور حصار ہے جو کہ لوٹنے والے طبقات نے اپنی جائیداد اور مفادات کی حفاظت کے لئے بنا رکھا ہے۔ اس قانون کے مطابق اور اس قانون کے عدالتی اور انتظامی ڈھانچے کے مطابق امیر آدمی بڑا نیک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پارسا اور صاف ستھرا گناہوں اور آلائشوں سے پاک ہوتا ہے اور وہ مجرم نہیں ہوتا نہ ہی وہ جرم کر سکتا ہے اس کے نزدیک تمام مجرم غریب ہی ہوتے ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام جیل غریبوں سے بھرے پڑے ہیں تمام عدالتوں اور تھانوں میں غریب ہی غریب نظر آئیں گے اور اکا دکا کہیں کوئی امیر آدمی جیل میں آ بھی جائے تو یہ صرف سیاسی رقابتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ہمارا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ غریب تو مجرم نہیں ہوتا غریب تو جرم کر ہی نہیں سکتا۔ غریب تو صرف جرم کا آلہ کار ہوتا ہے اور یہ بھی پیٹ کے جہنم کی آگ اسے اس مقام پر پہنچاتی ہے۔ غریب تو فطرتاً معصوم ہوتا ہے کیونکہ محنت اور تعمیر کی عادت ہی معصوم ہوتی ہے۔ شیطان تو بیکار لوگ ہوتے ہیں۔ جن کا کام گھروں میں فارغ بیٹھ کر سازش کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے یہ سب ادارے درحقیقت حصول انصاف کے مقاصد کے لئے ہرگز نہیں ہیں۔ یہ ادارے بالائی طبقات کے اونٹی غلام ہیں ان کے دربان پولیس کیا لوگوں کے حقوق کی محافظ ہے، یہ تو صرف وزیراعظم صدر وزیراعلیٰ ایوانوں میں بیٹھے لٹیروں گلبرگ کی کوٹھیوں میں پلتے جرائم کی حفاظت کے لئے ہیں۔ برائی اور جرم کو منظم طریقے سے چلانے والے تو بڑے بڑے محلات میں بیٹھے ہیں۔ مجرموں کو پکڑنے والی پولیس تو ان دروازوں پر پہرہ دیتی ہے جن دروازوں کے اندر جرم کی منڈی لگتی ہے۔ بڑی بڑی کوٹھیوں کے اندر جوان لڑکیوں کے دامن تار تار ہوتے ہیں مگر آپ کا حدود آرڈیننس وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ شراب خانے قتل سازشیں غداریاں سب کی سب مراعات یافتہ طبقہ کی پیداوار ہیں۔ یہی مراعات یافتہ طبقہ ممبران اسمبلی، بیوروکریسی، ارسٹوکریسی اور حکمرانوں کو جنم دے رہا ہے اور یہی آپ کے ملک کی سیاست ہے۔ انصاف اور منصب بھی ان کی چوکھٹ پر سر دھرتے ہیں۔ مجبور لاچار بے بس بے کس انسانیت شکار ہے اور مجرموں تک آپ کا جھوٹا قانون پہنچ ہی نہیں سکتا۔ واقعاتی شہادت قرائن پر مبنی شہادت ہماری مدد میں CIRCUMSTANTIAL EVIDENCE ثبوت فراہم کرتی ہے۔ لوٹ اور ڈاکہ زنی اور وارداتوں کا ثبوت اسمگلنگ ذخیرہ اندوزی ہیروئن فروشی اور اور وطن فروشی کا ثبوت ان کے گھروں سے فراہم ہے۔ تمام امیروں کے محلات جگمگا رہے ہیں اور غریبوں کی جھونپڑیوں

میں آنسوؤں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ امیروں کے بولنے کا خوبصورت انداز جذبات کا اداکارانہ استعمال چمکتے لباس بڑی بڑی گاڑیاں بڑے بڑے بنگلے دروازوں پر باوردی دربان فانوس قالین اور ریشمی پردے یہ سب ان کے ہتھیار ہیں۔ فریب کی دنیا کے پر فریب ہتھیار یہ چمک دمک انسانی خون کو پینے سے حاصل ہوتی ہے اور استحصال کا نتیجہ ہے۔ سماج کے سب سے چھوٹے انسان کتنے بڑے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی ہمارے ثبوت ہیں۔ یہ سب قیمتی اشیاء ان کے جرائم کا منہ بولتا ثبوت ہیں ان کے گھر کی ہر چیز ان کے خلاف گواہی دے رہی ہے اور زبان رکھتی ہے اور بولتی ہے کہ یہ مجرم ہیں۔ پھر اس کے علاوہ ان کی باتیں بھی اور خیالات بھی اقبال جرم کرتے ہیں۔ کبھی یہ جنگل میں گرجتے شیر کی مثال دیتے ہیں کہیں سمندروں کے طوفانوں کی اور پھر کبھی ان طوفانوں میں چھپی شارک کی بات کرتے ہیں۔ ہمیں سبق دیتے ہیں کہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ یہ دنیا ڈاکوؤں کی ہے یہاں ڈاکہ جائز ہے۔ بھیڑوں کو واعظ کرتے ہیں کہ بھیڑیا صفت ہی واحد حقیقت ہے اس طرح ان کی دلیل سے ان کی لوٹ کے لئے جواز مہیا ہو جاتا ہے۔ یہ خون پیتے ہیں یہ ہمارا خون غیر ملکیوں کو بیچتے ہیں اس بیوپار کے بدلے ہم غریبوں کی قیادت ان کو انعام میں دی جاتی ہے۔ تمام حالات و واقعات ان کی برائی اور جرم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کے اپنے افکار و خیالات ان کا اقبال جرم ہیں اور قانون ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ایک لونڈی ہے۔

اس زمین کو خون رنگ کرنے والے امن کے سب سے بڑے حامی ہیں یہ کہتے ہیں کہ انقلابی جنگیں جرم ہیں۔ امن ہونا چاہیے۔ ہم قتل کریں مگر شکوہ بھی نہ ہو۔ یہ امن وہ بزور شمشیر برپا کرتے ہیں۔ شکوہ کرنے والے کو ماں کی کوکھ ہی میں قتل کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھوکے ننگے مصیبت زدہ لوگ اپنے حقوق کی بات کرنے والے سب امن کے دشمن ہیں۔ باغی ہیں ان کو تہ تیغ کر دو امن قائم رہے گا وہی امن و سکون جو قبرستانوں میں ہوتا ہے۔ ہو کا عالم ہے ان صحراؤں کی طرح جہاں انسانی ڈھانچوں اور لاشوں کو نوچتے گدھوں کا بسیرا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواں باب

حقیقی جمہوریت کمیونزم

افلاطون (347 - 427 بی سی) کے نزدیک وہ مملکت مجرم ہے جو کہ پرائیویٹ ادارہ کو نظام چلانے کی اجازت دیتی ہے۔ افلاطون نے کہا کہ تعلیم اور کمیونزم دو ایسے ہتھیار ہیں جو کہ ذات پرستی کے انحطاط کو روکتے ہیں، یہ وہ ذات پرستی اور کثرت نفس پرستی ہے جو کہ مملکت اور سماج میں مداخلت کرتی ہے اور اسے درہم برہم کر دیتی ہے اور پھر یہ حدیں پھلانگتی ہوئی انسانی رائج اخلاقیات اور انصاف کا بھی گلا کاٹ دیتی ہے۔ اس طرح یہ سماج اور معاشرے کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ افلاطون نے افراد کے لئے سماج اور معاشرہ کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ افلاطون نے کہا کہ ذاتی ملکیت انسان کی نچلی سطح کی فطرت کی عکاسی کرتی ہے اور حکومت کو چاہیئے کہ اسے ختم کر دے اگر یہ حکومت انسانیت کی فلاح چاہتی ہے۔ پرائیویٹ جائیداد کو ختم کرنے سے انسان کے مفاد پرستانہ رجحانات ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کے اندر لوگوں کے حقوق سے لاپرواہی اور ذاتی طاقت کا ناجائز حصول اور استعمال جیسے رجحانات بھی دم توڑ دیتے ہیں۔ افلاطون کے مطابق کسی شخص کے پاس سونا یا چاندی نہیں ہونا چاہیئے۔ صرف پرہیز گار اور نیک لوگوں کو حکمرانی کا حق ہے۔ علم بھی ایک نیکی ہے۔ اس لئے عالموں اور فلسفیوں کا حکمرانی پر حق فائق ہے۔ افلاطون کے نزدیک کاروباری پیشے کے لوگوں کو سیاست سے دور رکھنا چاہیئے ورنہ اس کے منفی اثرات سماج کو مفاد پرستی ذاتی ہوس پرستی کا اڈہ بنا دیں گے۔

موجودہ سامراجی جمہوریت درحقیقت ایک فریب ہے ہم سچی کھری اور حقیقی جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ ہم فرضی جمہوریت کے خلاف ہیں۔ سچی اور کھری جمہوریت کے انعقاد کے لئے بہت ضروری بات ہے کہ سب سے پہلے ہم فرضی جمہوریت کی اس جڑ اور بنیاد کو

کاٹ دیں جس پر کہ یہ پر فریب جمہوریت کھڑی ہے اور قائم ہے۔ کمیونزم کے نزدیک ہر سیاسی جدوجہد درحقیقت ایک معاشی جدوجہد ہوتی ہے اور سیاست کے اوپری ڈھانچے کے پیچھے ایک معاشی ڈھانچہ ہوتا ہے جو کہ حقیقی بنیادی اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی سیاسی تبدیلی کے لئے معاشی تبدیلیوں کی اشد ضرورت ہے۔ جب تک ہم معاشیات کے اس نظام کی جڑ کو نہیں کاٹتے جس پر کہ فرضی جعلی جمہوریت کا نظام کھڑا ہے۔ یہ لعنت ہمارے ملک سے دور نہیں ہو سکتی۔ سرمایہ کی اس مدد کو ہم نے کاٹ دینا ہے۔ جس پر کہ خون پینے والے طفیلی جراثیموں کا انحصار ہے اور اس کے بدلے میں ایسا معاشی نظام قائم کیا جائے جو کہ استحصال سے پاک ہو اور عدل پر قائم ہو۔ سوشلزم اور کمیونزم اس معاشی نظام عدل کی تشریحات ہیں اور ان اصولوں کو لاگو کرنے سے ہی استحصال سے پاک ایک معاشرہ کا قیام ممکن ہے اور اصلی حقیقی جمہوریت لاگو ہو سکتی ہے۔

سوشلزم سے مراد غیر طبقاتی معاشرہ ہے جس میں کہ طبقات نہ ہوں۔ سوشلزم کے مطابق ہر آدمی سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے اور کام کے مطابق اجرت دی جائے۔ سوشلزم کی معیشت کا انحصار صرف اور صرف محنت اور کام ہے۔ اس کے علاوہ کسی قسم کے استحصال سے پیدا شدہ دولت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ سوشلسٹ معاشرہ جب ترقی کی منازل طے کرتا ہے تو یہ کمیونزم بن جاتا ہے۔ جس میں نہ صرف ملکوں کے اندر کے طبقات مٹ جاتے ہیں بلکہ ملکوں کے درمیان سرحدوں کا بھی خاتمہ کر دیا جاتا ہے اس طرح تمام انسانوں کے مابین رنگ نسل فرقہ مذہب قوم ملک جنس پر بنیاد رکھتے ہوئے تعصبات کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے اور کمیونزم کا بنیادی معاشی نقطہ نگاہ زیادہ بڑے عدل کی بات کرتا ہے اور قدرت کی طرف زماں و مکاں یا قسمت کی وجہ سے دی گئی ناانصافیاں ہیں کمیونزم اس کا تدارک کرتا ہے۔ کمیونزم کے نزدیک ہر آدمی سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے اور ضرورت کے مطابق اجرت دی جائے۔

یہ اعلیٰ انسانی قدروں پر بنیاد رکھتا معاشی نظام عدل ہے کہ ہر آدمی سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی جوان ہے، ایک بوڑھا ہے، ایک بچہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے، ایک توانا و صحت مند ہے، دوسرا بیمار ہے یا اس کا ایک ہاتھ ہے دوسرا ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ پھر عورت ہے صحت مند ہے دوسری حاملہ ہے، ایک آدمی پڑھا لکھا ہے دوسرا ان پڑھ ہے تیسرا ہنر والا کام کر سکتا ہے چوتھا صرف جسمانی مزدوری کر سکتا ہے۔ سوشلزم اور کمیونزم میں ہر انسان سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور اس پر وہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا جو کہ وہ فطری طور پر اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ استحصالی اور لوٹ کھسوٹ کے ظالمانہ نظاموں میں انسان کو انسان نہیں سمجھا جاتا بلکہ انسانوں کو صرف پیداوار کا ایک ذریعہ یا بے جان آلہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نظام میں مزدوروں سے اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام لیا جاتا ہے۔ بچوں کو سستی لیبر سمجھ کر اور عورتوں کو کم اجرت پر رکھا جاتا ہے۔ اس طرح عورتیں، بچے یا مرد مہلک بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اور ان کو صرف اتنی اجرت دی جاتی ہے جس سے کہ وہ بمشکل زندگی قائم رکھ سکیں۔ سوشلزم میں انسان کو انسان سمجھ کر گوشت پوست دکھ سکھ کا ایک پیکر سمجھ کر معاشی ظالمانہ استحصال کی زنجیروں سے نجات ملی ہے۔ کمیونزم نے اس سے بھی بلند معاشی نظریہ عدل دیا ہے۔ کمیونزم کے نزدیک ضرورت کے مطابق اجرت دی جاتی ہے۔ اس میں کمیونزم نے ہر انسان کو اپنی بنیادی ضرورتوں کی اکائی تسلیم کیا ہے۔ انسان اس سماج میں مختلف صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ سامراجی سرمایہ دارانہ سماج نے دھوکہ، فراڈ، چالاکی اور مکاری کی صلاحیتوں کو بہت بڑا مقام دیا ہے اور محنت، دیانت، صداقت اور تعمیر کی صلاحیتوں کو نفرت ذلت اور تحقیر دی ہے۔ کمیونزم نے اس نظریہ کے خلاف بغاوت کی ہے اور انسان کی ہر تعمیری صلاحیت کو اعلیٰ افضل اور برابر کا مقام دیا ہے اور ایسی صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی کے لئے انسان کو بلند مقام دیا ہے اور اس کی صلاحیتوں کی بیداری تربیت اور افزائش کے لئے ہر انسان کو اس کی بنیادی ضرورت مہیا کی ہے کہ سماج اور معاشرے کا یہ فرض ہے کہ اس کے اندر رہنے والے ہر انسان کو اس کی بنیادی ضرورتیں مہیا کی جائیں تاکہ وہ معاشرے کے لئے ایک صحتمند سوچ رکھنے والا مثبت عمل کرنے والا انسان بن سکے اور اس کو وہ تمام مواقع میسر ہوں جس سے کہ معاشرے کی تعمیر و ترقی ممکن ہو سکے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی انسان اس معاشرہ میں دوسرے انسانوں سے الگ نہیں ہے۔ کسی ایک

انسان پر ہونے والا ظلم یا ناانصافی زیادتی یا تقدیر کی ستم ظریفی سانپ کی لکیر کی طرح دوسرے انسانوں پر اپنے اثرات چھوڑتی ہے۔ کم از کم ہر انسان اپنے خاندان اور بچے کے لئے ایک بہت بڑا سہارا ہوتا ہے۔ بچوں کی نفسیات سوچ خیالات اور تعلیم و تربیت پر یہ انسان اثر انداز ہوتا ہے۔ سوشلسٹ یا کمیونسٹ معاشرہ اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کسی انسان کی خامیوں کی سزا اس کی نسلوں یا بچوں کو بھگتنا پڑے۔ ایک انسان کی نفسیاتی بیماری یا جرم کی سزا اس کے معصوم بچوں کو دی جائے یا پھر کسی بھی طرح بچوں کو وہ مواقع نہ مل سکیں جو کہ سماج میں دوسرے بچوں کو ملتے ہیں یا ان کی تعلیم و تربیت میں کسی قسم کی کوئی کمی رہ جائے۔ سامراجی نظام ایک آدمی کی سزا نہ صرف خاندانوں کو بلکہ پوری پوری قوموں کو دیتا ہے جو کہ ناانصافی اور جبر کی انتہا ہے۔ سامراجی نظام میں امیر کے بچے امیر، غریب کے بچے غریب اور مجرم کے بچے مجرم ہی بنتے ہیں۔ اس طرح ایک آدمی کی سزا اس کے خاندان کے سارے افراد کو بھگتنا پڑتی ہے۔

روحانیت بھی معاشی نظام ہی کی پیداوار ہے۔ کمیونزم کا معاشی نظام ایک اعلیٰ قسم کی روحانیت کو اور اخلاقیات کو جنم دیتا ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہر انسان کے اندر ایک کمیونسٹ زندہ ہے۔ ہر انسان کا ایک روپ سوشلسٹ اور کمیونسٹ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ کمیونزم صرف ایک محدود دائرے میں بند ہے اور اس میں وسعت نہیں ہے۔ ہر انسان نے کسی حد تک اپنے اپنے خاندان کے اندر سوشلزم قائم کیا ہوا ہے اور اپنے خاندان کے باہر لوٹ کھسوٹ کے نظام کو اس لئے اپنائے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے اپنے خاندانوں کو تحفظ کی ضمانت فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ انسانوں کے اس جنگل میں جہاں جنگل کا ہی قانون رائج ہے۔ انسان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے شیر نے ہرن کے بچے ہلاک کر کے ان بچوں کو اپنے بچوں کی خوراک بنا دیا۔ شاہین نے کبوتر کے سینے میں اپنے پنجے پیوست کئے اور اسے اپنے بچوں کے آگے لا کر ڈال دیا۔ پرانے سماج کی بنیاد ہی اس بات پر ہے یا تو کسی کو لوٹ لو یا خود لوٹے جاؤ۔ کسی کو غلام بنا لو یا خود اس کا غلام بن جاؤ۔ یہ ظالم سماج جہاں ہر انسان اپنے مستقبل سے خائف ہے اور ایک دوسرے کا قتل عام کر رہا ہے۔ یہاں کے انسان جنہوں

www.KitaboSunnat.com

نے اس معاشرہ یا سماج میں لوٹ مچا رکھی ہے جب گھر جاتے ہیں تو ان کا چھوٹا سا بچہ دودھ پی رہا ہوتا ہے۔ وہ کام نہیں کر سکتا، عورتیں صنف نازک ہیں بھاری بھر کم کام نہیں کر سکتی، والد کماتا ہے بڑا بھائی کالج جاتا ہے سودا سلف لاکر گھر دیتا ہے۔ چھوٹے بچے انگریزی سکول پڑھتے ہیں۔ اس گھر میں ہر آدمی ہر فرد سے اس کی استطاعت کے مطابق کام لیا جاتا ہے اور اس کی ضرورت کے مطابق اسے اجرت ملتی ہے۔ آپ اپنے گھر میں کمیونسٹ ہیں لیکن اس پورے سماج کو معاشرہ کو آپ اپنا خاندان سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ایک درندہ دوسرے کے بچوں کے لئے اتنا خونخوار اور اپنے بچوں کے لئے رحمت، ایسا کیوں ہے؟ یہ صرف اور صرف ایک ظالمانہ نظام کی وجہ سے ہے جو کہ ہر لحظہ ہر لمحہ آپ کو اور آپ کے وجود کو موت کی دھمکی دیتا ہے، یہ خطرات کی ایک مستقل للکار ہے۔ جس کی وجہ سے کہ آپ لوگوں کے گلے کاٹتے ہیں۔ اگر یہ سماج اور معاشرہ آپ کو اور آپ کے بچوں کو مستقل حفاظت اور ترقی کی ضمانت فراہم کردے تو پھر جس طرح شیرنی اپنے بچوں کے لئے رحم اور سکون کا باعث ہے آپ بھی معاشرے کے ہر فرد کے لئے رحمت کا پیغام ثابت ہوں گے۔

آج کا یہ انتہائی اہم سوال ہے کہ گندگی کے اس ڈھیر پر کھیلتے کیا یہ آپ کے بچے نہیں۔ یہ گداگری کرتی بوڑھی عورت آپ کی ماں کیوں نہیں۔ سماج کے ہاتھوں لٹنے والی عورت آپ کی بہن ہے۔ کمیونزم کے نزدیک تو یہی تصور ہے۔ لیکن سامراج سرمایہ دار جاگیردار کے نزدیک یہ کسی اور کی ماں کسی اور کی بہن اور کسی اور کے بچے ہیں۔ گداگری کرتے چھوٹے چھوٹے بچے عورتیں فالج زدہ لوگ تمہاری نام نہاد انسانیت کے منہ پر طمانچہ ہیں۔ کمیونزم کی معیشت نے اسی قسم کی روحانیت اور اخلاقیات کو جنم دیا ہے جو کہ آپ کو سماج میں رشتوں کی پہچان ان کے عادلانہ حقوق، منصفانہ تقسیم اور محبت کے حوالے سے کرواتا ہے اور سامراج نے بھائی کے ہاتھوں بھائی قتل، باپ بیٹے بیٹی ماں کے مابین جائیداد کے نام پر جھگڑے اور فسادات کی بنیادیں فراہم کی ہیں۔ کمیونزم کی اعلیٰ و ارفع روحانیت اور اخلاقیات بے مثال ہے۔

سماجی انصاف اور عدل کے قیام کے لئے صدیوں پرانے استحصالی نظام کی جڑوں کو کاٹنا

اشد ضروری ہے۔ یہ آدم خور جڑیں ہمارے گوشت کے اندر پیوست ہمارا خون پی رہی ہیں۔ حقیقی جمہوریت یا کمیونزم کے قیام کے لئے سب سے اہم بات یہ کہ انسانوں پر افراد کی سرمایہ کے ذریعے برتری کو ختم کر دیا جائے جو کہ عوام کی تنظیم اور شعور کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرکے ان کی بالادستی قائم کرنے سے ہی ممکن ہے۔ پرانے نظام کی باقیات کو ختم کرکے نئی بنیادوں پر اور نئے اصولوں کے مطابق انقلابی تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ سامراج کی طاقت ور گرفت اور غلامی سے نجات حاصل کرنا اشد ضروری ہے۔

افراد کی انسانوں پر سرمایہ کی برتری کو ختم کرنے کے لئے یہ بات اشد ضروری ہے کہ تمام ذرائع پیداوار جس میں زمین اور مشین سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں اس کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے۔ پیداوار کارخانہ جب قومی ملکیت میں لے لیا جائے گا تو اس پر انحصار کرتے تمام رشتے ختم ہو جائیں گے اور طبقات مٹ جائیں گے۔ طبقات کے مٹنے کے ساتھ ہی استحصال اور لوٹ کھسوٹ کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتے ہیں۔ زمین اور مشین انسان کی اجتماعی ملکیت ہے جو جتنی محنت کرے وہ اس کا معاوضہ لے لے جس سے کہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام اس پر بنیاد رکھتا سامراج اور پرفریب جھوٹی جمہوریت، سب پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ کمیونسٹ نظام تاریخ کا ناگزیر فیصلہ ہے۔ بین الاقوامی سطح پر عوامی شعور کی بیداری اور عوامی تنظیم کمیونزم ہی کا دوسرا نام ہے۔ جہاں پر کہ ہر فرد کو اپنے حقوق کا علم ہوتا ہے اور کوئی فرد اپنے حقوق پر شب خون مارنے کی اجازت نہیں دیتا یہی کمیونزم ہے۔ طبقات کے مٹ جانے سے تمام طبقاتی جنگیں ختم ہو جاتی ہیں۔ استحصال سے پاک ایک بین الاقوامی معاشرہ جنم لیتا ہے۔ جہاں انسان بستے ہیں۔ مسلمان ہندو سکھ عیسائی بدھ اور کافروں کی دنیا سے بہت بلند جہاں ملک اور ملک کے درمیان سرحد نہیں ہوتی ایک آزاد معاشرہ امریکہ بھی میرا افریقہ بھی میرا اور ہندوستان بھی میرا اور روس بھی میرا اسی کو ہم کمیونزم کہتے ہیں۔ تمام ذرائع پیداوار پر جب سب کا برابر کا حق ہو گا تو کوئی انسان دوسرے انسان کی ضرورت کو قابو میں رکھ کر اسے غلام نہیں بنا سکتا۔ اس لئے کسی بھی ذریعہ پیداوار پر کسی ایک فرد کا حق ملکیت دوسرے انسانوں کا معاشی قتل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور یہ آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ حتیٰ کہ کمیونزم کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر انسان کو ذاتی مکان میں رہنا چاہیئے کوئی دوسرا مکان بنا کر کرایہ پر دینا کسی دوسرے انسان کی ضرورت پر قابو کرنے کی کوشش ہے جو کہ ممنوع ہے۔ کمیونزم فرد کی آزادی اور ذاتی ملکیت کی سب سے زیادہ حفاظت کرتا ہے۔ لیکن سامراجی دنیا نے تشہیر اور تبلیغ کے ذریعے اس بات کو الٹ بیان کیا ہے۔ ذاتی ملکیت وہی ہے جو کہ آپ نے اپنی محنت اور کاوش سے حاصل کی ہے اور جو دولت اور سرمایہ آپ نے استحصال فریب لوٹ کھسوٹ ذخیرہ اندوزی دوسروں کی مصیبت اور پریشانی میں اضافہ کر کے سودے بازی کاروبار سے حاصل کیا ہے وہ درحقیقت آپ کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ دوسرے افراد کی ذاتی ملکیت میں خلل ہے۔ نظام کو درہم برہم کر کے قبضہ ناجائز ہے۔ اجارہ داریاں قائم کر کے تمام سماج اور دنیا کو فتنہ پروری خونریزی اور جرائم کی آماجگاہ بنا دیتا ہے۔ یہ عمل سماج کو الجھن بے اعتباری بدظنی بے اعتمادی شک و شبہ پریشانی دیتا ہے جس سے کہ لالچ اور ہوس کو ہوا ملتی ہے اور معاشرہ ایک جلتا ہوا جہنم بن جاتا ہے۔ لہٰذا کمیونزم ذاتی ملکیت کو بیرونی حملہ آوروں سے بچاتا ہے اور ہر فرد کے لئے آزادی اور مساوات کا پیامبر ہے۔ آنے والے بچوں اور نئی نسل کے مستقبل کی حفاظت کا ضامن ہے۔ کمیونزم واحد وہ نظام ہے جس میں کہ انسانی اجتماعی قوتوں اور سوچ کو اس طرح تنظیم دی جاتی ہے کہ وہ قسمت کی ناانصافیوں کے ساتھ جنگ کر کے اسے بدل دیتا ہے۔

اس طرح انسانوں کو تقدیر اور قسمت کے ظالم پنجے سے آزاد کرواتا ہے۔ اس سے انسان کی اجتماعی قوتیں متحرک و منظم ہو جاتی ہیں۔ فطرت اور مظاہر قدرت پر اس کا قابو اور گرفت مضبوط ہو جاتی ہے اور وہ کافی حد تک خود مختار ہو جاتا ہے۔ پیدائش کا حادثہ جس میں زمان اور مکان کا اہم کردار ہے۔ فطرت کی بے انصافی کا مظہر ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں پیدائش کا حادثہ، مختلف جغرافیائی حالات کی وجہ سے غیر مساوی تقسیم، انسانی زندگی میں مختلف واقعات اور حادثات کا رونما ہونا یہ سب ہماری تقدیر اور قسمت کی جکڑ ہے جس سے کہ انسانی فکر و دانش آزادی کے لئے کوشاں ہے۔ بنجر اور زرخیز زمین، پہاڑ

وادیاں لہلہاتے کھیت صحرا دریا سمندر اسی فطری تقسیم نے انسانوں کو اپنے اپنے اندر رکھتے ہوئے حالات کا پابند کر دیا۔ چشموں پر بیٹھے انسانوں نے کہا کہ ہم پانی کے مالک ہیں اور صحرا میں بیٹھے پیاسے لوگوں کو غلام بنا لیا۔ کوئی کھیتوں کا مالک بنا اور کوئی پہاڑوں کا کسی نے کہا کہ یہ ملک میرا اور کوئی بر اعظموں سمندر ہواؤں اور ستاروں کی ملکیت کا دعویٰ کرنے لگا۔ انسان نے انسانوں میں تفریق پیدا کی۔ انسانوں کو غلام بنایا اور ظلم کی داستانیں اس دھرتی کے سینے پر نقش کیں۔ ہر انسان اپنے معاش کے لئے کوشاں و سرگرداں ہے۔ کیونکہ زندگی کا دارومدار اس پر ہے۔ اس زمین پر فرعونوں نے ذرائع پیداوار کو انسانی ضرورتوں کو اپنے قابو میں کر لیا۔ اس طرح انہوں نے باقی تمام انسانوں کو اپنی قید میں رکھ لیا۔ اسی دولت انہی وسائل کے ذریعے تمام سیاست تمام عقائد کو بھی قابو کر لیا۔ اندھیرا کر دیا اس دنیا میں۔ اندھیری راتوں میں بہتا ہوا خون دکھائی نہیں دیتا۔ کمیونزم کا ایک سورج طلوع ہوا چیزیں روشن صاف اور شفاف دکھائی دینے لگیں۔ محنت کے برابر اجر جو محنت نہیں کرتا اسے کچھ نہیں ملے گا اور ہر ایک کو اتنا ہی ملے گا جتنی کہ اس نے محنت کی۔ یہ زمین یہ آسمان یہ سمندر یہ ہوائیں یہ علم یہ زبان یہ سماج یہ تہذیب یہ تمدن یہ سب انسان کا اجتماعی حق ہے۔ یہ امریکہ یہ روس یہ چین ہندوستان افریقہ یہ پاکستان یہ حد بندیاں یہ در بندیاں ڈاکوؤں کا ڈھونگ ہے۔ یہ تیرا یہ میرا سب جھوٹ یہ تو ہم سب کا ہے۔ یہی ہے کمیونزم کا انسانیت کے نام پیغام۔ جس نے انسان کو آزاد کیا اور سچی اور کھری جمہوریت کی بنیاد رکھی جس میں کہ عوام اور لوگوں کا سچا راج ہو گا۔

جب جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کو توڑ دیا جائے گا اور اس پر بنیاد رکھتی بیوروکریسی ختم ہو گی تو ان کے شکنجے میں سے لاکھوں کروڑوں مزدور کسان مزارعے اور عوام آزاد ہو جائیں گے۔ ان کی ضرورتیں آزاد ہوں گی۔ ضرورت کے آزاد ہونے سے ہی پہلی مرتبہ ایک آزاد رائے ہموار ہو گی جو کہ سچی اور حقیقی جمہوریت کو جنم دے گی۔ تب ہی محنت اور عقل اور علم اور دیانت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور تبھی معاشرہ میں تعمیر و تخلیق کا عمل شروع ہو گا۔ فیکٹری کا مالک مزدوروں کے لئے ناخدا کا مقام رکھتا ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزارعوں کے لئے جاگیردار خدا کا کیونکہ ان دونوں کی روٹی کا انحصار ان پر ہے۔ معاشرے کو سچی جمہوریت دینے کے لئے ہمیں ان کو ناخداؤں سے بچانا بہت ضروری ہے۔ جب آپ ارتکاز زر کے فتنہ کو جڑ سے کاٹ دیتے ہیں تو سماج میں صرف محنت، صداقت، عقل، ہمت، دیانت اور علم کی بنیادوں پر ایک مقابلے کی مثبت دوڑ شروع ہو جاتی ہے جس سے کہ اجتماعی مفادات کی حکمرانی ہوتی ہے۔ عدل و انصاف ہوتا ہے اور یہی سچی اور حقیقی جمہوریت کی بنیاد ہے۔ ایسا ہونے سے جمہوریت اور سوشلزم کی حدیں مل کر یکجا ہو جاتی ہیں اور سوشلزم ہی اصلی حقیقی خالص سچی اور کھری جمہوریت ہے۔ کیونکہ سوشلزم ہی وہ نظام ہے جس میں کہ عوام کا اور لوگوں کا راج ہوتا ہے جہاں ہم سب آزاد ہوں گے۔ جب ہم قومی تعمیر و ترقی میں برابر کے شراکت دار ہوں گے۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا معاشی طور پر تابع نہ ہو گا۔

کمیونزم پر بنیاد رکھتی جمہوریت میں عوام بہت جلد ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ صدیوں کے فاصلے دنوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی استحصال کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ تمام ذرائع پیداوار عوام اور لوگوں کی ملکیت میں دے دیئے جاتے ہیں۔ تمام ڈاکہ استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے پیدا شدہ جائیدادیں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ سود کی تمام اشکال خواہ فرد اور فرد کے مابین ہوں یا کسی ادارے اور دوسرے ادارے کے درمیان یا پھر ملکوں کے درمیان ممنوع قرار دی جاتی ہیں اور تمام سامراجی بیرونی قرضہ جات جو کہ درحقیقت غریب ملکوں کے عوام کا ہی سرمایہ ہوتا ہے ضبط کر لیا جاتا ہے۔ محنت کے بغیر پیدا شدہ سرمایہ ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ ہر قسم کا تعصب مذہبی لسانی علاقائی نسلی جنسی یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ ایک بین الاقوامی انسانی بھائی چارے کی سوچ جنم لیتی ہے۔ ہر فرد کے مستقبل کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ تعلیم عام ہو جاتی ہے۔ عوامی فوج، عوامی پولیس اور عوامی عدالتیں اور عوامی اسمبلیاں وسیع پیمانے پر بنا دی جاتی ہیں جو کہ ہر قسم کا انتظام سنبھال لیتی ہیں۔ سارے ملک میں اس نظام کو چلانے کے لئے چھوٹی چھوٹی علاقائی اسمبلیاں بنا دی جاتی ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی اسمبلیوں کو روسی زبان میں سوویت کا نام دیا گیا تھا۔ ان

چھوٹی چھوٹی اسمبلیوں میں علاقہ کے تمام باکردار، باعمل، باعلم، اور دانشور لوگ اکٹھے ہو کر ایک پروگرام اور لائحہ عمل دیتے ہیں۔ اسی طرح ان ہی چھوٹی اسمبلیوں کے ذریعے اس سے بڑی شہر کی سطح اور پھر اس سے بڑی ملک کی سطح پر اسمبلیاں قائم ہوں گی۔ اس طرح ہر طرف عوام کا راج ہو گا۔ عوام ہی ہر چیز کے فیصلے کریں گے۔ عوام ہی کی قیادت عوام ہی کا قابو، عوام ہی کا انتظام۔ یہی ہے سچی کھری اور حقیقی جمہوریت جس کا نام کہ کمیونزم ہے۔ ذاتی انفرادی مفاد پرستیاں اجارہ داریاں اپنا دم گھٹ کر مر جاتی ہیں۔ تمام تعمیر و تخلیق کے مالک عوام اپنی تقدیر کا فیصلہ اپنے ہی ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ اسی کا نام کمیونزم ہے۔

☆ ☆ ☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دسواں باب

انقلاب ایک ناگزیر راستہ

کارل مارکس نے یہ کہا ہے کہ جب انسان تسخیر کائنات کرتا ہے اور فطرت میں تبدیلی لاتا ہے تو بیرونی مظاہر کی اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ انسان کی اپنی فطرت بھی نتیجتاً بدلتی ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں انسانوں کا معاشرے میں کردار اور رویہ مختلف رہا ہے اور مسلسل ارتقاء پذیر ہے۔ انقلابی نظریہ اور انقلابیوں کے بغیر انقلاب ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن انقلاب کے بعد یہی انقلاب بہت سے انقلابیوں کو جنم دیتا ہے۔

کامریڈ لینن نے انقلاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہمیں انتہائی محتاط ہونا چاہیئے کہ ہمیں انقلاب کی خاطر انقلاب لانے سے گریز کرنا چاہیئے۔ انقلابات خاص قسم کے حالات کی پیداوار ہوتے ہیں اور یہ معروضی حالات (OBJECTIVE CONDITIONS) سے جنم لیتے ہیں۔ یہ کسی فرد پارٹی طبقہ کی خواہشات سے وقوع پذیر نہیں ہو سکتے۔ ان کے حالات صرف معاشی اور سیاسی بحران کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر عام معروضی حالات موجود بھی ہوں تو بھی انقلابات لازمی نہیں کیونکہ اس کی رہنمائی کے لئے انقلابی نظریہ، انقلابی تنظیم، انقلابی پارٹی اور باشعور افراد کی قیادت جو صرف انقلابی مشن اپنے سامنے رکھتے ہوں یہ بھی اہم عنصر ہے۔ مزید کامریڈ لینن نے کہا کہ انقلاب میں محنت کش طبقات کا نہ جھکنے والا مصمم ارادہ بہت ضروری ہے کہ وہ مرجانا پسند کرتے ہوں بہ نسبت اس کے کہ وہ کوئی صلح جوئی کا شکار ہوں یا ہتھیار پھینک دیں محنت کش کے اس رویے کے بغیر انقلاب ممکن نہیں۔

کامریڈ لینن نے کہا ہے کہ انقلابات کبھی قوموں کے اوپر مسلط نہیں کئے جاتے یہ اندرونی حالات کی پیداوار سے پکتے ہیں اور بتدریج ارتقائی عمل سے پختہ ہوتے ہیں پوری

نشوونما کے بعد اپنے منطقی نتیجہ کو پہنچتے ہیں اور نہ ہی انقلابات درآمد یا برآمد ہو سکتے ہیں۔ یہ ہر ملک کے اندرونی حالات پر انحصار رکھتے ہیں۔ مگر یہ بات حقیقت ہے کہ ایک ملک کے اندر انقلاب دوسرے ملک میں انقلاب کیلئے راستہ ہموار کرتا ہے، سوچ پیدا کرتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر اپنے اثرات چھوڑتا ہے۔ نوآبادیاتی ممالک میں انقلابات بین لاقوامی تعاون اور مدد سے برپا کئے جا سکتے ہیں۔

کمیونزم تاریخ کا ناگزیر فیصلہ ہے کیونکہ کمیونزم کے لاگو ہونے سے انسان کی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ تخلیق کائنات اور تحقیق کائنات میں بہت فعال اور مستعد ہو جاتا ہے جس طرح ایک ذرہ یعنی کہ ایٹم عام حالت میں کسی طاقت کا اظہار نہیں کرتا اسی طرح یہ انسان سامراجی نظام سرمایہ داری نظام میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لا سکتا لیکن جونہی اس ذرے کو ایٹم کو ایک خاص عمل میں سے گذارا جاتا ہے تو یہ ایٹم (ذرہ) ایٹمی توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور بے پناہ قوت کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کمیونزم کے نظام کے اندر قدم رکھتا ہے تو وہ ایٹمی توانائی کی طرح کائنات کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ کمیونزم میں انسان کی قوت محرکہ یعنی کہ INCENTIVE کام کرنے کا تخلیقی جذبہ بہت بڑھ جاتا ہے اور اس کے علاوہ بے پناہ لاتعداد افراد جن میں بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں ان کی ان صلاحیتوں کو موجودہ نظام نے قید و پابند کر دیا ہوا ہے ان کی ان صلاحیتوں کو زنگ لگا دیا ہے۔ جس طرح آم یا کسی اور پھل کے لاتعداد بیج ہوتے ہیں اور ان تمام بیجوں میں صرف ایک آدھ کو دوبارہ زندگی اور پودا بننے کا موقع ملتا ہے باقی تمام بیج ختم ہو جاتے ہیں اگر یہ تمام بیج اگ اٹھیں تو باغ و بہار دنیا کا مقدر ہو اسی طرح ان گلیوں میں ان غلاظت کے ڈھیروں پر کھیلتے بچوں میں لاتعداد لینن اور مارکس ہیں ان میں نیوٹن اور آئن سٹائن ہیں مگر اس ظالم سامراجی استحصالی سماج میں ان کی خوبیوں کو ہوا نہیں لگتی اور ان کی بے پناہ صلاحیتیں اپنا دم توڑ دیتی ہیں۔

پسے ہوئے مظلوم طبقات صدیوں سے اس نظام کے لئے بے پناہ کام کرتے رہے جس نظام کی جڑیں ان کا خون پینے سے اور موٹی اور گہری ان کے گوشت میں پیوست ہو جاتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں قوت محرکہ اور INCENTIVE نہیں ہے کیونکہ اس کا مفاد صرف ایک جاگیردار اور سرمایہ دار کو ہوتا ہے۔ یہ قوت محرکہ INCENTIVE صرف اور صرف اس ایک خون پینے والے طفیلی جراثیم اور جونک کو ہوتا ہے۔ یہاں لاکھوں مزدوروں کے لئے کوئی INCENTIVE یا کام کرنے کی خواہش نہیں ہوتی۔ سرمایہ دارانہ نظام میں جو لوگ کام کرتے ہیں انہیں کچھ نہیں ملتا اور سب کچھ انہیں ملتا ہے جو کہ کام نہیں کرتے۔ لہٰذا جب مزدوروں اور محنت کشوں کو یہ پتہ چلتا ہے کہ سوشلزم ایسا نظام معیشت ہے جس میں کہ ان کو روزگار تعلیم و تربیت سیاسی فیصلوں میں ان کی قیادت سہانا مستقبل تعمیر اور محنت میں ان کی شراکت لوٹ کھسوٹ کے نظام سے آزادی غلامی سے آزادی اور ان کی ضرورتیں آزاد ہوں گی تو یہ ایسی قوت محرکہ کام کرنے کی خواہش اور INCENTIVE کو جنم دیتا ہے کہ کام کرنے کی تخلیقی صلاحیت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ سرمایہ داری نظام میں کام کرنے کی خواہش یا INCENTIVE صرف ایک کارخانے کے مالک یا جاگیردار کا ہوتا ہے لیکن سوشلزم میں INCENTIVE لاکھوں کروڑوں مزدوروں اور عوام کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا ہوتا ہے جو کہ حقیقی INCENTIVE ہے اور انسان کو وسیع تر پیداوار کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اس کا ثبوت سوویت یونین ہے۔ امریکہ، انگلینڈ، فرانس، جرمنی اور جاپان کی ترقی کے پس منظر میں صدیوں پرانی سائنسی ایجادات کی تاریخ اور ساری دنیا کے عوام لوٹ کھسوٹ اور استحصال ہے۔ جبکہ سوویت یونین سماج انتہائی طور پر پسماندہ تھا۔ سوشلسٹ انقلاب کے بعد پچھتر سالہ سوویت تاریخ میں بے پناہ ترقی ہوئی اور یہ امریکہ کے مقابلہ کی ایک سپر طاقت بن گیا اور اس میں کسی دوسری قوم کا لہو یا استحصال شامل نہیں ہے۔

تاریخ کا جبر PRESSURE OF HISTORY ان پیداواری رشتوں اور پیداواری قوتوں کے ٹکراؤ، شعور کی بلند سطح، سائنسی علوم کے حصول اور طبقات کے مابین ٹکراؤ کے نتیجے میں عمل آتا ہے۔ اس کے علاوہ لاتعداد چھوٹے چھوٹے واقعات و حالات کا تانا بانا بھی اس تاریخی جبر کا حصہ ہے۔ تاریخ کے یہ طے کردہ راستے کسی فرد گروہ یا جتھہ کی خواہش

پسند یا ناپسندیدگی سے بالاتر ہیں۔ آج یہ کرہ ارض، پورا گلوب سیاسی شعور کی لہر میں ہے۔ ہر فرد اپنی نیند سے جاگ رہا ہے اور اپنے حقوق کی بات کرتا ہے۔ آج کا بچہ ٹیلی ویژن دیکھ رہا ہے اس کے ذہن میں لاکھوں طرح کے سوالات ابھر رہے ہیں۔ ایک دانش ور کی سوچ تجربات کاوش اور جدوجہد سے لاکھوں کروڑوں لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں۔ عقل یا علم یا تنظیم اب کسی ایک فرد یا قبیلے کی میراث نہیں رہا۔ یہ شعور یہ بیداری یہ وڈیرے سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت یہ گریبان پکڑ کر اپنا حق مانگنے کی ہمت یہی ہمیں کمیونزم کی نوید دیتے ہیں۔ کہ جب کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اپنے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے یا شب خون مارنے کی اجازت نہیں دے گا وہی دن انصاف عدل اور مساوات کا ہو گا۔ جب یہ مزارعے یہ مزدور یہ محنت کش ڈنگر اور ڈھوروں کی طرح ہانکے نہ جائیں گے۔ جب مزدور حقیقت کو پہچان لے گا تو وہ اپنے مالک کو یہ کہنا بند کر دے گا۔ کہ جی ہم آپ کے خادم ہیں ہم آپ کے نمک خوار ہیں ہم نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ جب وہ حقیقت جان لے گا کہ مالک مزدوروں کا نمک خوار ہے کیونکہ سارا کام تو مزدور ہی کرتے ہیں اور مالک ان کی محنت کا نمک کھاتا ہے۔ جب جہالت کی باتیں دم توڑ دیں گی کہ اول خویش بعد درویش جہاں تمام رشتے حق و صداقت علم عدل انصاف عقل دلیل منطق کے حوالے سے پہچانے جائیں گے تو یہ سماج ایک جنت کا نمونہ پیش کرے گا۔

ہر انسان کے شعور کی بیداری کمیونزم ہے۔ ہر انسان کی جرات کہ وہ کسی دوسرے انسان کی لوٹ کے لئے آلہ کار نہ بنے اس کا نام بھی کمیونزم ہے۔ آپ کا یہ شعور کہ میرے معصوم بچوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ان سے ان کی تعلیم ان کی تربیت ان کی پرورش کا حق ان سے کوئی نہیں چھین سکتا اس کا نام کمیونزم ہے۔ میں نے یہ سڑک بنائی ہے، وہ سامنے والی عمارت میں نے تعمیر کی ہے۔ یہ گندم میں نے اگائی ہے، یہ جوتے میں نے بنائے یہ لوہا میں نے پگھلایا، یہ ریلوے کا انجن یہ سوئی یہ دھاگہ دنیا کی ہر تعمیر میں نے کی تو پھر یہ کیسا نظام ہے کہ میرے جسم پر کپڑے پھٹے پرانے ہیں سر چھپانے کو گھر نہیں سفر کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، میں اس سیاست سے دور ہوں جہاں میری تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں، پیٹ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خالی ہے میرے بچے بلکتے روتے زندگی کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ میں باغی ہوں، اس جھوٹے نظام کا جو کہ ایک کھلی اور ننگی لوٹ ہے، دھوکہ اور فریب ہے ہاں اسی بغاوت کا نام کمیونزم ہے۔ تمہاری اس زنگ آلود بندوق کا نام بھی کمیونزم ہے جس کا زنگ تمہارے لہو کی گرمی پگھلا دے گی وہی دن کمیونزم کی صبح ہو گی۔

کمیونزم تاریخ کا ایک ناگزیر فیصلہ ہے۔ یہ بات کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز نے کہی۔ ان کا یہ دعویٰ کوئی تصوراتی نہ تھا بلکہ اس کی جڑیں مادیت کے فلسفہ میں پیوست ہیں بالکل اسی طرح جیسے کہ بادل نظر آ رہے ہوں بارش ہو گی یا نہیں یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں۔ کسی بھی سماج کی ترقی و نشوونماء کے لئے تین باتیں اہمیت کی حامل ہیں۔ وجوہ علت اور نتیجہ کا ایک ناگزیر رشتہ اس کائنات میں قائم ہے۔ اسی وجوہ اور علت کو ہم دلیل اور منطق سے جوڑتے ہیں یہی قوانین فطرت چیزوں اور اشیاء کی عادات کا تعین کرتا ہے اور یہی کائنات میں اجسام اور تاریخ کے ناگزیر راستے متعین کرتا ہے۔ اگر وجوہ علت اور نتیجے کا ہم تاریخ میں مطالعہ کریں تو ہم وسوخ کے ساتھ ریاضی کے کلیوں کے سہارے آنے والے کل کے بارے میں بھی بتا سکتے ہیں۔ سماجی نشوونماء ارتقاء اور تبدیلیوں کے لئے تین نقاط بنیادی ہیں۔ پیداواری قوتوں اور پیداواری رشتوں کے مابین تضاد دوسرا طبقات کے مابین تضاد اور تیسرا سائینسی علوم اور انسانی شعور کی بیداری مارکس نے پرانی تاریخ کا مطالعہ کیا اور تاریخ کے اس گہرے مطالعے سے اس نے تاریخ کی سمت بھی بتلائی۔ انسان، دور جہالت میں، تاریخ سے مراد، ہونے والے واقعات سے لیتا تھا چنگیز خان بڑا بہادر تھا امیر تیمور ہلاکو خان نے یہ کیا وہ کیا۔ دور جہالت کے زمانے کی تاریخ سے مراد صرف وقت کے اندر ایسے واقعات کا رونما ہونا تھا جس کی عکاسی کسی کردار یا ہیرو کی مرضی اور خواہش یا آرزو سے منسوب تھی۔ بندروں یا جانوروں سے موجودہ انسان بنا تو کیا یہ بندروں کی رضا مندی خواہش یا آرزو کا نتیجہ ہے کہ وہ موجودہ انسان کی طرح ذہین ہوتے۔ اگر یہ آرزو ہی تھی تو اس کو 35 یا 40 لاکھ سال درکار تھے۔ ہر تبدیلی وقت کے اندر قید ہے۔ کیا بے ربط، بے ہنگم حادثات، واقعات کا نام تاریخ ہے۔ مارکس نے تاریخ کی سائینسی تشریح کی ہے۔

ان کے نزدیک تاریخ کسی بھی فرد یا حکمران کی معرکہ آرائیوں کا نام نہیں ہے اور تاریخ کے ارتقاء کا پہیہ کسی فرد مطلق العنان بادشاہ کی مرضی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ مادیت کے وہ بنیادی قوانین ہیں جس سے کہ تاریخ ایک ربط ایک تنظیم کے ساتھ ایک معینہ مستقل غیر متغیر راستے پر چلتی ہے یہ وجوہ علل اور نتیجہ کی لاتعداد مربوط کڑیوں کی زنجیر کا نام ہے ایسی زنجیر جس کی ہر کڑی اپنے سے پہلی کڑی پر بنیاد اور انحصار رکھتی ہے اور وہ اس پہلی کڑی کی وجہ کا نتیجہ ہے۔ یہ سائینسی نقطہ نگاہ ہمیں اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ واقعات اور حادثات کے پس منظر میں وہ کون سی بنیادی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے کہ یہ حالات و واقعات پیدا ہوئے اور رونما ہوئے۔

مارکس نے لکھا ہے کہ تاریخ اپنے مادی حوالوں سے آگے بڑھتی ہے۔ انسان کی سب سے بنیادی ضرورت سانس اور پانی کے بعد خوراک ہے یعنی کہ بھوک ان مادی ضرورت کے تابع ہی تاریخ کا محور اور مدار ہے اور انسانی قدریں آرٹ فن روحانیت اور اخلاقیات سوچ فلسفہ فکر یہ سب انسان کی معیشت پر یعنی کہ حصول روزگار کے تابع ہیں۔ ہمیں کچھ اصطلاحات کی تشریح کرنا ہو گی کہ پیداوار، ذرائع پیداوار آلات پیداوار پیداواری قوت پیداواری رشتے طبقات کیا ہوتے ہیں؟ کھیت میں فصلوں کی صورت زمین پر درختوں کی صورت جو بھی اجناس پیدا ہوتی ہیں اسے ہم پیداوار کہتے ہیں۔ پیداوار ہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے کہ باقی کے تمام رشتے اور تمام اقسام کی جدوجہد جنم لیتی ہے۔ زمین اور کارخانہ ذریعہ پیداوار ہیں جو کچھ کارخانے میں بنتا ہے وہ بھی پیداوار ہی کہلاتا ہے۔ مختلف اوزار ہل ٹریکٹر اور مشین جو کہ پیداوار کرتی ہیں ان سب کو آلات پیداوار کہتے ہیں اور ان آلات اور مشینوں پر مشقت کرنے والے افراد کو ہم پیداواری قوت کہتے ہیں۔ اس پیداوار کے حوالے سے اس پیداوار کے لئے مختلف افراد کام کرتے ہیں اور ان افراد کے درمیان اسی پیداوار کی نسبت سے مختلف رشتے جنم لیتے ہیں۔ جنہیں ہم پیداواری رشتے کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کھیت کا مالک ہے اور دوسرا آدمی کھیت کا مالک نہیں وہ صرف کھیت پر کام کرتا ہے۔ کھیت کے مالک اور اس کھیت مزدور جو کہ اجرت پر کام کرتا ہے ایک رشتہ قائم ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا۔ اسی طرح مشین یا کارخانے کا مالک اور اس مشین پر کام کرنے والا اجرتی مزدور اس کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو گیا مالک اور مزدور کا۔ اسی طرح اسی پیداوار کے حوالے لاتعداد رشتے بنتے ہیں آڑھتی ہیں سوداگر ہیں دکان دار ہیں راکھے ہیں صارفین ہیں کہ سماج کے اندر سب پیشے حتیٰ کہ ذات پات کا تعین بھی جن پیشوں سے ہوتا ہے ان کا انحصار بھی اسی پیداوار پر اور اس کی تقسیم پر ہے۔ لہٰذا مزدور کسان محنت کش جو آلات پیداوار کو استعمال کرکے مادی وسائل پیدا کرتے ہیں مجموعی طور پر سماج کی پیداواری قوتیں کہلاتے ہیں۔

پیداواری عمل کے دوران انسان کا علم اور تجربہ اکٹھا ہوتا رہتا ہے اور یہ علم اور تجربہ ایک منظم علم کی صورت میں آنے والی نسلوں کو منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ صدیوں سے جمع شدہ مشاہدات اور تجربات پر بنیاد رکھتا علم سائنس ہے۔ ان علوم کی بنیاد پر آلات پیداوار بہتر سے بہتر نوعیت کے بنتے ہیں اور انسانی پیداواری قوت کے علم اور شعور کی سطح درجہ بدرجہ بلند ہوتی جاتی ہے۔ پیداواری قوتیں انسان اور فطرت کے مابین ایک جنگ چھیڑ کر اسے مسخر کرتی ہیں۔ اس طرح یہ فطرت کو بھی تبدیل کرتی ہیں اور اس عمل میں یہ خود بھی بدلتی ہیں اور ترقی پذیر ارتقاء کی طرف بڑھ جاتی ہیں۔

اب ہمارا سب سے بنیادی اور ضروری سوال یہ ہے کہ سماج بدلتا کیسے ہے؟ ایک نظام کی جگہ دوسرا نظام ایک سوچ کی جگہ دوسری سوچ کیسے جنم لیتی ہے۔ ایک تہذیب کے کھنڈرات پر دوسری تہذیب کی عمارت کیسے تعمیر ہوتی ہے۔ جب پیداوار ہوتی ہے تو پیداواری رشتے جنم لیتے ہیں ان کے مابین ایک تضاد مخالفت اور حقوق کی جنگ رونما ہوتی ہے یہیں سے طبقات پیدا ہوتے ہیں اور ان طبقات کے درمیان اپنے اپنے روزگار کے حصول کے اختلافات کی وجہ سے تضاد پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً کارخانے کا مالک یا جاگیر کا مالک اس کی خواہش ہے کہ مزدور زیادہ سے زیادہ کام کرے اور کم سے کم اجرت لے تاکہ اسے منافع ہو۔ مزدور کی خواہش کہ وہ زیادہ سے زیادہ معاوضہ لے کم سے کم کام کرے۔ مالک اجرت پر زمین دیتا ہے اور مزدور اپنی محنت بیچتا ہے۔ لہٰذا مزدور سرمایہ دار اور مزارع

جاگیردار کا ایک تضاد بنتا ہے اور معاشی جنگ شروع رہتی ہے۔ سائنس کی ترقی آلات پیداوار کا جدید ہونا پیداواری قوتوں کی عقلی فکری جسمانی قوت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ پیداواری قوتوں کی اس تبدیلی سے پیداواری رشتوں کے مابین نئی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر پیداواری قوتیں ترقی کر جائیں اور تعلقات پیداوار یا پیداواری رشتے پرانی حالت پر ہی ٹھہرے رہیں تو سماج انتشار بدامنی اور تفرقہ کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کہ تعلقات پیداوار خود کو پیداواری قوتوں کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ کر لیں۔

تاریخ میں تمام جنگیں بغاوتیں اور انقلابات تعلقات پیداوار کو نئے سرے سے ترتیب دینے کی کوششوں کا اظہار ہیں۔ جب پیداواری قوتیں ترقی کر جائیں تو تعلقات پیداوار اس کی مناسبت سے پیچھے رہ جائیں تو انتشار ہوتا ہے اور انقلابات کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی کو تاریخ کا جبر PRESSURE OF HISTORY کہتے ہیں جس سے کہ کوئی فرد ادارہ تنظیم پارٹی یا گروہ آزاد نہیں ہے اور یہ تاریخ کا وہ ناگزیر عمل ہے جو کہ اس جنگ میں طبقات کو مٹا کر رہے گا اور فطرت میں انسانوں کا استحصال کرنے والی قوتیں عوامی شعور کی بیداری اور سائنسی علوم کی ترقی کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوں گی اور کمیونزم یعنی کہ نظام عدل کا نظام رائج ہو گا۔

زمین کا مالک اور مزارع کارخانے کا مالک اور اس میں کام کرنے والا مزدور دونوں کی سوچ اور دونوں کی الگ تہذیب معاشرے میں ایک تضاد کو جنم دیتی ہے۔ ایسی تہذیب جو خاتون اور ظالم کے عقائد میں رنگی ہے سماج کو گمراہی تعصب خونریزی اور فساد دیتی ہے۔ ذرائع پیداوار پر انحصار کرتے رشتے ان کے مابین لاتعداد زاویوں سے ہی خیالات تشکیل پاتے ہیں۔ مفادات اور تضادات اور تمام جنگوں اور خونریزیوں کی یہی وجوہ ہیں۔ مختلف کاروبار پیشے بھی یہیں سے ابھرے شہر اور گاؤں کا تضاد بھی یہیں سے ابھرتا ہے۔ عقلی اور جسمانی محنت کا مدار بھی اسی پر ہے۔ جن لوگوں کا پیداوار میں بہت بڑا حصہ ہے استحصال زدہ اس معاشرے میں ان کا حصہ بہت کم رکھا گیا۔ عوام کی ان کثیر آبادیوں پر علم سائنس فلسفہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آرٹ فنون لطیفہ اور اخلاقیات کے دروازے بند ہیں۔ شہر دیہاتوں کا بے پناہ استحصال کرتے ہیں اور دیہاتی زندگی کو جانوروں کا سا معیار ملتا ہے حالانکہ دیہات ہی بے پناہ محنت کرنے والی افرادی قوت فراہم کرتے ہیں۔ ذرائع پیداوار پر نجی ملکیت ہی تمام جرائم گناہوں ناانصافیوں گندی تہذیبوں متعصب عقائد کی جڑ اور بنیاد ہے۔ جب آپ اس جڑ کو کاٹ دیں گے۔ تو ایک نئی تہذیب جنم لے گی آزاد پر سکون تہذیب جہاں انسان کا انسان سے رشتہ محبت اخوت بھائی چارہ عدل و انصاف ہو گا۔ جہاں محنت کے استحصال کی بجائے محنت ہی کے ساتھ ایک رشتہ ہو گا وہ صرف کمیونسٹ سماج کی تہذیب ہے۔

دنیا کا کوئی نظام اس وقت تک تباہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہاں کی پیداواری قوتیں قائم ہیں اور جب یہ قوتیں نشوونماء اور ارتقاء کرکے بدل جائیں گی تو ان پر سہارا کئے ہوئے سماجی رشتے کی تبدیلی بھی ناگزیر ہو گی۔ ان سماجی رشتوں کی توڑ پھوڑ ہی ایک انقلابی تبدیلی ہے۔ سائنسی علم اور شعوری سطح کی درجہ بدرجہ بلندی کی طرف بڑھتی ہوئی سطح کی وجہ سے یہ ترقی کی سمت ہی ممکن ہے۔ عظیم سوشلسٹ فلسفیوں نے اس بات کی تسبیح کی ہے کہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کوئی میکانکی طریقے سے حکمت عملی کے معیار نہ اپنائے جائیں بلکہ ٹھوس حقیقتوں کو علیحدہ علیحدہ ممالک کے واقعات و حالات اس کی تاریخ اور تہذیب و تمدن کے حوالے سے سمجھنا ہی سائنسی سوشلزم ہے۔ بین الاقوامی سطح پر یکساں اور ایک ہی طرح کی نشوونما ممکن نہیں ہے۔ کارل مارکس کے نقطہ نگاہ سے کوئی فلسفہ بھی غیر جانبدار نہیں ہوتا ہر فلسفہ کسی نہ کسی طبقہ کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے۔ سوشلزم مارکس کے دور میں سائنسی بنا۔ مارکسزم معاشرتی زندگی سائنس اور فلسفہ کا امتزاج ہے۔ مارکس کا فلسفہ تاریخ کے ایک دور میں معاشی اور معاشرتی حالات کا نتیجہ ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق دنیا میں کوئی ایسا نظریہ نہیں ہے جو کہ کسی بھی طبقہ کے مفادات کا ترجمان نہ ہو۔

سوشلزم کوئی جامد ایک جگہ پر قید کسی ایک زبان کسی ایک عقیدہ کسی ایک معاشرہ سماج یا تہذیب میں پابند نہیں ہے۔ بلکہ ہر سطح اور ہر مقام پر تاریخ کے ہر دور میں ہر عقیدہ اور

ہر تہذیب میں لوٹ کھسوٹ اور استحصال کے خلاف ہر قسم کی جدوجہد سوشلسٹ جدوجہد ہے۔ مارکس نے کہا کہ میں کوئی نیا علم لے کر نہیں آیا ہوں یہ سب چیزیں پہلے سے ہی موجود ہیں مگر مارکس نے ان سب کو سائنسی بنا دیا ور مارکس سائنسی سوشلزم کا بانی ہے۔ ہمارے اکثر انقلابی ساتھی ایک غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں کہ ہم ماضی کو گذرے ہوئے وقت اور گذری ہوئی تاریخ کو حال یعنی کہ موجودہ وقت کے ترازو اور معیار سے پرکھتے ہیں اور ماضی کو حال کے سائنسی عقلی علمی اور منطقی پیمانوں سے ناپتے ہیں اور ہم ان تاریخی حالات و واقعات کو بھول جاتے ہیں جن حالات نے کہ ماضی میں ان کو گھیرا ہوا تھا۔

ہر ملک کے اندر مارکسسٹ اور کمیونسٹ پارٹی کی حیثیت ایک بین الاقوامی کمیونسٹ پارٹی کے دستے کی سی ہے اور اس کو دنیا بھر میں کمیونسٹ انقلاب لانے کی جدوجہد کا ایک حصہ بننا ہے اور اسے اس بین الاقوامی سوچ کے تابع رہ کر چلنا ہے اور مزدوروں کے بین الاقوامی راج اور پرولتاری ڈکٹیٹر شپ کی روشنی میں عوام کی شعوری سطح کو بلند کرنا ہے۔ یہ شعور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی حد تک قید یا پابند نہیں بلکہ یہ نظریہ ایک خیال ایک سوچ اور اس سے پیدا شدہ عمل کا ترجمان ہے کہ محنت کش بین الاقوامی طور پر ایک واحد طبقہ ہے جس کے مفادات ایک ہیں اور جس کا مقابلہ خونخوار سامراج سے ہے اور اسی طبقے نے انسانیت کو سامراج کے پنجہ استبداد سے آزادی دلوانی ہے۔ کمیونسٹوں کو ان مشکل حالات میں بھی نظریاتی جنگ کو جاری رکھنا چاہیئے۔ ہم مارکسسٹ پرولتاریہ کی قیادت پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ ہم اس امن و سکون سے انکار کرتے ہیں جس امن و سکون کو سامراجی باقی دنیا کو غلام رکھنے کے بعد اعلان کرتے ہیں۔ ہم قوموں طبقات عوام اور افراد کی آزادی کے لئے اور ان کی جدوجہد کے لئے کسی صلح جوئی کی پالیسی کسی امن کی پالیسی سے انکار کرتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے عوامی مسلح جنگ کے علمبردار ہیں۔ ہم کسی قسم کی قوم پرستی، عصبیت پرستی گروہ بندی تفرقہ بازی کے خلاف جدوجہد کا اعلان کرتے ہیں کہ یہ سامراجی ہتھکنڈے محنت کشوں کو آپس میں لڑا کر ان کی طاقت کو تقسیم کر دیتے ہیں۔ ہم دنیا بھر میں متحدہ کمیونسٹ تحریک کے علمبردار ہیں۔ لینن نے سامراج سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برسرپیکار انقلاب شکست خوردہ ذہنیت کی شدت سے مخالفت کی ہے اور پرولتاریہ کے بین الاقوامی سرخ جھنڈے کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہے۔ بورژوا بکھرے ہوئے قومی نظریے کو مسترد کرتے ہوئے تعصبات کی بنیادوں پر گروہوں میں تقسیم چھوٹے چھوٹے جھنڈوں کو چھوڑ کر ہم بین الاقوامی محنت کشوں اور پرولتاریہ کے انقلابی سرخ جھنڈے کو مضبوطی سے تھامنے کا اعلان کرتے ہیں۔

آج انقلاب کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ تاریخ ہمیں اس مقام پر لے آئی ہے کہ جس نظام کو تمام سامراج جاگیردار اور سرمایہ دار چلانا چاہتے ہیں وہ اپنی افادیت کھو چکا ہے اور اس کی عمر پوری ہو چکی ہے۔ اس نظام کے آہنی ڈھانچے میں دراڑیں اور شگاف پڑ چکے ہیں یہ جلد ہی چند قدم کے بعد دم توڑ دے گا۔ تمام ادارے ختم ہو چکے ہیں۔ آپ ہی کے سامنے ان کا سانس ٹوٹ چکا ہے۔ ایک ہی لوٹ کے نظام کے آلہ کار تنخواہ دار ملازم مختلف چہروں سے حکومتیں بدل بدل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ عوام پر ٹیکس لگاتے مہنگائی کرتے اور پھر کچھ دیر کے لئے چلے جاتے پھر آجاتے دھوکہ دہی سے منافقت سے حکومت اور اپوزیشن میں بیٹھے ایک ہی چہرے شطرنج کے مختلف مہرے ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے، محتاط اور زمانہ ساز کہ میرے جرائم کا بوجھ مجھ پر نہ آئے کسی اور آنے والے پر پڑ جائے۔ جس نظام کے آپ وکیل ہیں تاریخ نے اس نظام کی موت کا حکم صادر کر دیا ہے۔ گلے سڑے اس پورے نظام کو آج جڑ سے اکھاڑ دینے کی ضرورت ہے جو کہ مسلسل لوٹ ظلم جبر اور ناانصافی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس نظام میں اب لوگوں کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ اب اس کی جگہ ایک نیا نظام لے گا جس میں منظم عوام کا راج ہو گا۔

ایک انقلاب ہمارے سروں پر کھڑا ہے جو کہ لوٹ کے اس نظام کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دے گا۔

میں آپ کو انقلاب کی نوید دیتا ہوں سحر ہونے کو ہے وہ صبح کی روشنی سامنے نظر آرہی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاؤ